بیس رکعات تراویح عہد فاروقی میں

روایت نمبر 1۔

امام ابو بکر بن ابی شیبہ فرماتے ہیں:

حدثنا وکیع عن مالک عن یحییٰ بن سعید ان عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) امر رجلا ان یصلی بھم عشرین رکعۃ۔

ترجمہ۔ حضرت یحییٰ بن سعید انصاریؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی (حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ) کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس 20 رکعات تراویح پڑھائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ 285/3)

سند کا حال

1۔امام ابو بکر بن ابی شیبہؒ بالاتفاق ثقہ امام ہیں۔ حافظ ذہبیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں۔ الحافظ عدیم النظر، الثبت التحریر۔ (تذکرۃ الحفاظ 432/2

)

2۔ وکیع بن جراح الکوفیؒ۔ حافظ ذہبیؒ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں: الحافظ۔ الامام الثبت، محدث العراق، احد الائمۃ الاعلام۔ (تذکرۃ الحفاظ 282/2) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: ثقہ، حافظ، عابد، (تقریب التہذیب 284/2) مولانا عبد الرحمان مبارکپوری لکھتے ہیں: احد الائمۃ الاعلام ثقۃ حافظ۔ (تحفۃ الاحوذی 24/2) مولانا شمس الحق عظیم آبادی غیر مقلد لکھتے ہیں: احد الائمۃ الاثبات۔ (التعلیق المغنی 17/2)

3۔امام مالک بن انس ائمہ اربعہ میں سے ایک جلیل القدر امام ہیں، ان کی ثقاہت اور جلالت قدر پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: الفقیہ، امام دار الھجرۃ، راس المتقنین وکبیر المثبتین۔ (تقریب 151/2)

4۔یحییٰ بن سعید انصاری التابعی۔ امام احمد۔ یحییٰ بن معین۔ ابو حاتم، ابن حبان، عجلی وغیرہ سب ائمہ رجال نے آپ کی توثیق کی ہے۔ امام بخاریؒ کے استاد، امام علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں کبار تابعین کے بعد یحییٰ بن سعید اور ابن شہاب جیسا کوئی تابعی نہیں ہے۔ (دیکھئے الجرح و التعدیل 149/9، تذکرۃ 137/1 وغیرہ)

یہ روایت سند کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے البتہ یہ روایت مرسل ہے کیوں کہ اس کے راوی حضرت یحییٰ بن سعید تابعیؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔ لیکن مرسل روایت عند الجمہور حجت ہے۔

حجیت مرسل کی بحث:

مرسل روایت ائمہ ثلاثہ (امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ) اور جمہور فقہاء و محدثین (امام اوزاعی، امام سفیان ثوریؒ وغیرہ) کے نزدیک مطلق حجت ہے۔ تمام تابعین کرام بھی اس کی حجیت کے قائل ہیں۔ (چنانچہ علامہ ابن جریرؒ فرماتے ہیں: اجمع التابعون باسرھم علی قبول المرسل ولم یات منھم انکارہ ولا عن احد من الامۃ الیٰ راس المائتین، (تدریب الراوی 167/1) حضرات تابعین سب کے سب بات پر متفق تھے کہ مرسل قابل قبول ہے۔ اور تابعین سے لے کر دوسری صدی کے آخر تک کسی شخص نے اس کے حجت ہونے سے انکار نہیں کیا۔

البتہ امام شافعیؒ اور ان کے ہم فکر محدثین اور فقہاء کے نزدیک ہر مرسل روایت حجت نہیں بلکہ مرسل معتضد حجت ہے۔ مرسل معتضد کا مطلب یہ

ہے کہ اس مرسل کی تائید کسی دوسری روایت سے (خواہ وہ مسند ہو یا مرسل) سے ہو چکی ہو، یا اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا اکثر علماء نے عمل کیا ہو، (دیکھئے مقدمہ شرح مسلم للنووی ص 17) شرح نخبۃ الفکر ص 51۔ زاد المعاد 103/1 وغیرہ)

مولانا عبدالرحمان مبارکپوریؒ صاحب نے بھی تصریح کی ہے کہ مرسل معتضد سب کے نزدیک حجت ہے۔ (ابکار المنن ص 144/143)

شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحبؒ نے تو یہ تعمیم کی ہے کہ مرسل روایت کا مؤید ضعیف روایت بھی ہو تب بھی وہ حجت ہے۔ (حاشیہ شرح نخبۃ الفکر شیخ الاسلام بحوالہ رکعات تراویح ص 65، حجۃ البالغہ 140/1)

غرض مرسل معتضد سب علماء کے نزدیک حجت ہے۔ خود غیر مقلدین علماء بھی اس کی حجیت کے قائل ہیں۔

چنانچہ مولانا عبدالرحمان مبارکپوری صاحب ابو قلابہ کی ایک مرسل روایت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

اگر یہ حدیث مرفوعا غیر محفوظا اور مرسلا محفوظ ہے تو بھی حجت ہے کیونکہ حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے اس کا اعتضاد ثابت ہے اور مرسل معتضد کے حجت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ (تحقیق الکلام 95/1 مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان)

غیر مقلد محقق مولانا عبدالرؤف اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: اگر اس بات کو نہ بھی تسلیم کیا جائے تب بھی مرسل حجت ہے کیونکہ اس کی تائید میں مرفوع صحیح روایات ہیں۔ (القول المقبول فی شرح صلوۃ الرسول ص 370)

نیز عبدالرؤف صاحب محمد بن یحییٰ بن حبان کی ایک مرسل روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: یہ مرسلا بھی مروی ہے اور یہ حدیث اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ (القول المقبول ص 621 طبع رابع)

علامہ شوکانی غیر مقلد امام ابن شہاب زہری کی ایک مرسل روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وھذا وان کان مرسلا لکنہ معتضد بما سبق، کہ یہ روایت اگرچہ مرسل ہے لیکن سابقہ روایات سے معتضد اور موئد ہے، (نیل الاوطار 349/3)

مولانا صادق سیالکوٹی غیر مقلد مرسل طاؤس کو معرض استدلال میں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں: گو یہ حدیث مرسل ہے لیکن دوسری مستند احادیث سے ملکر قوی ہو گئی ہے۔ (صلوۃ الرسول ص 188)

ہفت روزہ الاعتصام کے مفتی مولانا ثناء اللہ مدنی ایک مرسل روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: مشار الیہ روایت ابو قتادہ اگرچہ منقطع (مرسل) ہے پھر اس میں لیث بن ابی سلیم ضعیف راوی ہے۔ لیکن بعض نے شواہد کی بنا پر اس کو قابل عمل سمجھا ہے۔ (ہفت روزہ الاعتصام 27 محرم 1420)

ان مذکورہ بالا مثالوں سے جس طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرسل معتضد بالاتفاق حجت ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی اظہر من الشمس ہو گئی کہ علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی کبار تابعین کی طرح صغار اور اوساط تابعین کی مرسل معتضد بھی حجت ہیں جیسا کہ آپ نے اوپر کتاب میں پڑھ لیا ہے کہ مولانا مبارکپوری صاحب اور مولانا عبدالرؤف نے ابو قلابہ کی مرسل معتضد کو حجت کہا ہے حالانکہ ابو قلابہ کو حافظ ابن حجرؒ نے تابعین کے طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے۔ (تقریب 494/1) اور اس طبقہ والوں کو انہوں نے اوساط تابعین سے بتلایا ہے (ایضا 25/1)

نیز شیخ عبدالرؤف نے محمد بن یحییٰ بن حبان کی مرسل معتضد کو بھی حجت کہا ہے اور محمد بن یحییٰ کو حافظ نے طبقہ رابعہ کا راوی کہا ہے۔ (ایضا 144/2)

حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک طبقہ رابعہ والے وہ ہیں جو طبقہ ثالثہ والوں کے قریب ہیں۔ (ایضا 25/1)

اسی طرح قاضی شوکانی نے امام زہری کی مرسل معتضد کو حجت کہا ہے حالانکہ زہری کو بھی حافظ ابن حجرؒ نے طبقہ رابعہ میں شمار کیا ہے۔(ایضا 25/1

)

اور صادق سیالکوٹی صاحب حضرت طاؤس کی مرسل معتضد کو قوی کہہ رہے ہیں جبکہ طاؤس طبقہ ثالثہ کے ہیں جو اوساط تابعین کا طبقہ ہے۔(تقریب

(449/1

اسی طرح مولانا ثناءاللہ صاحب ابوالخلیل بصری کی مرسل سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ وہ طبقہ سادسہ کے ہیں،(ایضا 443/1)طبقہ سادسہ

والوں کو حافظ ابن حجرؒ نے صغار تابعین کا ہم عصر قرار دیا ہے۔(ایضا 258/1)

اب جبکہ یہ علمائے کرام جن میں مولانا مبارکپوری، قاضی شوکانی اور مولانا سیالکوٹی جیسے اکابرین غیر مقلدین بھی شامل ہیں، صغار اور اوساط تابعین کی مراسیل معتضدہ کی حجیت کا اقرار کر رہے ہیں تو پھر آج کے بعض اصاغر غیر مقلدین کا صغار اور اوساط تابعین کی مراسیل کو یہ کہہ کر رد کر دینا کہ صرف کبار تابعین کی مراسیل حجت ہیں (انوار المصابیح ص 281/278)خود اپنے اکابر کی تصریحات کی روشنی میں باطل ہے۔

علامہ ابن حزم ظاہری غیر مقلد لکھتے ہیں: جب کوئی مرسل حدیث ہو یا کوئی ایسی حدیث ہو جس کے راوی میں ضعف ہو اور ہم دیکھیں کہ سب لوگوں کا اس پر اجماع ہے اور سب اس کے قائل ہیں تو یقیناً ہم یہ جان لیں گے کہ وہ حدیث صحیح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔(توجیہ النظر ص50 بحوالہ تسکین الصدور ص 33)

یعنی اگر حدیث ضعیف یا مرسل ہی کیوں نہ ہو لیکن لوگوں کے عمل سے مؤید ہونے کی وجہ قابل حجت ہے۔

اسی طرح نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد نے بھی مرسل معتضد کے حجت ہونے کی تصریح ہے۔)دلیل الطالب ص 325)

الغرض:۔

مرسل معتضد کے حجت اور صحیح ہونے پر پوری امت (بشمول غیر مقلدین) کا اتفاق ہے اور چونکہ حضرت یحییٰ بن سعید انصاری کی مذکورہ روایت بھی مرسل معتضد ہے اس لئے اس کی تائید دیگر کئی مسند اور مرسل روایات سے ہو رہی ہے۔ نیز اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکثر علماء نے عمل بھی کیا ہے۔(ترمزی 99/1)لہذا اس روایت کے حجت اور صحیح ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہو سکتا۔

مرسل کی بحث کیلئے احسن الکلام فی ترک قرات خلف الامام کا مطالعہ کریں

اس روایت یحییٰ بن سعید پر غیر مقلدانہ جرح واعتراض اور اس کا جواب:

غیر مقلد حافظ محمد اسلم نے ابن ابی شیبہ کی روایت کا عنوان قائم کر کے لکھا ہے مروی ابن ابی شیبہ فی المصنف عن وکیع عن مالک عن یحییٰ بن سعید ان عمر بن الخطاب امر رجلا ان یصلی بھم عشرین رکعۃ۔(مصنف ابن ابی شیبہ)

ابن ابی شیبہ (المصنف) میں وکیع عن مالک عن یحییٰ بن سعید کا بیان کرتے ہیں کہ عمر بن الخطاب نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ ان کو 20 رکعات پڑھائے لیکن یہ اثر بھی منقطع ہے۔ مولانا مبارکپوری (تحفۃ الاحوذی جلد 2 ص 85) میں فرماتے ہیں کہ علامہ شوق نیموی رحمہ اللہ نے اس اثر کے رجال کو ثقہ کہا ہے لیکن یحییٰ کی ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں ہے پس نیمویؒ کا کہنا درست ہے کہ اثر میں انقطاع ہے اس لئے استدلال کے قابل نہیں۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو اثر صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو

11 گیارہ رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا اس کے صراحۃ مخالف ہے اور جو حکم رسول خدا ﷺ سے صحیح سند کیساتھ ثابت ہے اس کے بھی مخالف ہے۔(تعداد مسنون تراویح ص12)

الجواب:

غیر مقلد نے حضرت یحیی بن سعیدؒ کی اس روایت پر جو جرح کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس روایت کی سند منقطع ہے کیونکہ نیمویؒ ومبارکپوری کہتے ہیں کہ یحییٰ بن سعیدؒ کی ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں ہے اور دوسرا اعتراض یہ ہے کہ بقول غیر مقلد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کو 11 گیارہ رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا۔یحیی بن سعیدؒ کی روایت اس کے صراحۃ مخالف ہے۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ روایت حکم رسول خدا ﷺ کے بھی مخالف ہے۔

غیر مقلد کے یہ تینوں اعتراض فضول، بودے، نکمے، اور مردود ہیں کیونکہ علماء اہل السنت والجماعت کے پاس بیس رکعات تراویح کے ثبوت میں بیسیوں دلائل وآثار ہیں اگر دو چار پر جرح ثابت بھی ہو جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ جب بہت سے آثار وروایات جمع ہو جائیں تو اگرچہ فرداً فرداً سارے ہی ضعیف ہوں لیکن سب ملکر قابل قبول ہونے کی قوت حاصل کر لیتے ہیں اور ایک دوسرے کو تقویت دے کر درجہ حسن حاصل کر لیتے ہیں جبکہ بیس رکعات تراویح کے بہت سے آثار ایسے ہیں جن پر جرح بھی نہیں ہے۔ مثلا: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی روایت بالکل صحیح ہے اور اس پر غیر مقلدین نے کوئی جرح بھی نہیں کی۔ لہذا ایسی صحیح روایت کی موجودگی میں تائید کرنے والی روایات پر جرح کرنے سے اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔اس کے باوجود ہم بالترتیب غیر مقلد کے تینوں اعتراضات کا جواب دیتے ہیں۔

انقطاع سند مسئلہ:

غیر مقلد کا پہلا اعتراض یہ ہے کہ اس اثر میں انقطاع ہے لہذا قابل استدلال نہیں جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا کہ غیر مقلد کے اعتراضات بودے قسم کے، فضول اور گھسے پٹے ہیں سب سے پہلے اعتراض کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

ہماری نظر میں یہ اعتراض اس لئے مردود ہے کہ ہر منقطع ومرسل روایات ناقابل استدلال نہیں ہوتی بلکہ ہر مرسل روایتیں جن کے راوی ثقہ ہوں اور ان کو کسی دوسرے طرق سے تائید وتقویت حاصل ہو تو ایسے مراسیل معتضدہ بالاتفاق حجت اور قابل استدلال ہیں۔ مراسیل معتضدہ کو تو کسی محدث نے بھی ناقابل استدلال نہیں کہا اور الحمدللہ بیس رکعات تراویح کے اثبات میں جتنے مراسیل بھی پیش کئے جاتے ہیں وہ سب کے سب قوی ہیں اور دوسرے طرق سے ان کو تقویت بھی حاصل ہے اور حضرت یحییٰ بن سعیدؒ کی اس روایت کو بھی علماء محدثین، مرسل قوی، کہتے ہیں۔(آثار السنن ص253)

اس مسئلہ کی پوری تحقیق پہلے گذر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے پس یہ مرسل قوی ہونے کی وجہ سے قابل استدلال ہے اور غیر مقلد کا اس کو ناقابل استدلال کہنا غلط اور مردود ہے۔ غیر مقلد نے اس اثر کو اس لئے ناقابل بنایا ہے کہ نیمویؒ اور مبارکپوری کہتے ہیں کہ یحییٰ بن سعیدؒ کی ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا نیمویؒ اور مبارکپوری کی ملاقات یحییٰ بن سعیدؒ سے ثابت ہے؟؟ اگر نہیں تو خود ان کی بات منقطع ہونے کی وجہ سے ناقابل استدلال ہے۔ نیمویؒ اور مبارکپوری کی بات منقطع ومرسل ہونے کے باوجود قابل استدلال ہے اور یحییٰ بن سعیدؒ کی بات منقطع ہونے کی وجہ سے ناقابل استدلال ہے یہ کیوں؟؟ غیر مقلدین فیصلہ صادر فرمائیں۔

کیا اثر یحییٰ بن سعیدؒ اثر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے؟؟

اب غیر مقلد کا دوسرا اعتراض بھی دیکھ لیجئے کہ حضرت یحییٰ بن سعیدؒ کا یہ اثر جس میں بیس 20 رکعات تراویح کا ثبوت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صحیح اثر کے خلاف ہے جس میں انہوں نے حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا۔

قارئین کرام:

یہ اعتراض بھی لغو، فضول اور مردود ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح اور محفوظ اثر بروایۃ بیہقی عن یزید بن خصیفہ عن السائب بن یزید یہی ہے کہ انہوں نے حضرت ابی بن کعب اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما کو بیس رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ پس حضرت یحییٰ بن سعیدؒ کی یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صحیح اور محفوظ حکم کے بالکل موافق ہے نہ کہ مخالف۔

باقی رہی امام مالکؒ کی گیارہ رکعات والی روایت تو یہ روایت کسی راوی کا وہم ہے یا گیارہ رکعات بمع وتر ایک امام کی تعداد ہے جبکہ بقیہ نماز تراویح دوسرا امام پڑھاتا تھا۔ اس طرح بیس کی تعداد مکمل ہوتی تھی کیونکہ حضرت سائب بن یزید اور یزید بن رومان رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ بات وضاحت سے ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو بیس رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گیارہ رکعات ایک امام کی تعداد ہے نہ کہ دونوں کی کیونکہ دونوں اماموں کی نماز تراویح کی تعداد تو بیس رکعات مسلمہ طور پر ثابت ہے اور خود امام مالکؒ کی دوسری روایت میں آٹھ رکعات تراویح کی تردید موجود ہے کہ جب امام صاحب سورۃ بقرہ جیسی سورۃ بارہ رکعات میں ختم کرتا تو لوگ محسوس کرتے تھے کہ رعایت اور تخفیف ہو گئی ہے۔

یا پھر گیارہ رکعات والا اثر ابتدائی اور متروک ہے۔ کیونکہ استقرار عمل تو یقیناً بیس رکعات تراویح پر ہوا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یحییٰ بن سعیدؒ کا اثر قوی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صحیح اور محفوظ اثر کے عین موافق ہے اور دونوں اثروں سے بیس رکعات تراویح قطعی طور پر ثابت ہے لہذا غیر مقلد کا مخالفت بین الاثر والا اعتراض بالکل مردود اور فضول ہے۔

کیا اثر یحییٰ بن سعید حکم رسول کے خلاف ہے؟؟؟

رہا غیر مقلد کا اس اثر پر تیسرا اعتراض کہ حضرت یحییٰ بن سعیدؒ کا یہ اثر جو حکم رسول ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے اس کے بھی مخالف ہے۔

قارئین: غیر مقلد کا یہ اعتراض دراصل جھوٹ کا پلندہ ہے اور بالکل سفید جھوٹ ہے اور حضور اکرم ﷺ کی ذات بابرکات علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سراسر بہتان ہے کیونکہ حضور ﷺ نے پوری زندگی کسی ایک صحابی کو آٹھ رکعات تراویح پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ بندہ عاجز غیر مقلدیت کو چیلنج کرتا ہے کہ پورا زور لگا کر بلکہ سر منہ کا زور لگا کر اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ثابت کریں کہ

رسول اکرم ﷺ نے کس وقت آٹھ رکعات تراویح کا حکم دیا؟؟؟؟؟

رسول اکرم ﷺ نے آٹھ رکعات تراویح کا حکم کس کو دیا؟؟؟؟

رسول اکرم ﷺ نے آٹھ رکعات تراویح کا حکم کب دیا؟؟؟؟؟؟؟؟؟

آپ ﷺ کا یہ حکم کسی کتاب میں ثابت ہے؟؟؟؟؟

آپ ﷺ کے کسی صحابی سے ثابت ہے؟؟؟؟؟؟؟؟؟

کس راوی سے ثابت ہے؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟

حدیث کی کتاب میں ثابت ہے؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟

فقہ کی کس کتاب میں لکھا ہے؟؟؟؟؟؟؟؟

واللہ باللہ:: اللہ کے رسول ﷺ نے کسی شخص کو آٹھ رکعات تراویح پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔۔یہ غیر مقلد کا خالص جھوٹ اور نرا بہتان ہے جو اس نے اللہ تعالیٰ کے پاک پیغمبر کی طرف منسوب کر دیا ہے۔۔ سبحانک ھذا بھتان عظیم۔

پوری دنیائے غیر مقلدیت: حضور اکرم ﷺ کا یہ حکم ثابت کریں۔ ورنہ آپ ﷺ کی سخت وعید کیلئے تیار رہو۔ من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار۔ یعنی جو شخص میری طرف جھوٹ بات منسوب کرے اسے چاہیئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں ڈھونڈ لے۔

بہر حال حافظ محمد اسلم غیر مقلد نے جو یہ کہا ہے کہ حضرت یحییٰ بن سعیدؒ کا یہ اثر حکم رسول ﷺ کے مخالف ہے۔ خالص کذب بیانی ہے اور نرا بہتان ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے آٹھ رکعات تراویح کا حکم زندگی بھر نہیں دیا۔ جب حضور اکرم ﷺ سے آٹھ کا حکم ثابت نہیں ہے تو حضرت یحییٰ بن سعیدؒ کا اثر کیسے مخالف ٹھہرا؟؟ الحمد للہ ثابت ہو گیا کہ یحییٰ بن سعیدؒ کا اثر قوی ہے اسی لئے قابل استدلال ہے یعنی انقطاع کوئی جرح نہیں ہے اور نہ یہ اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی کسی صحیح اور محفوظ روایت کے خلاف ہے اور نہ ہی حضور اکرم ﷺ کے کسی حکم کے مخالف ہے یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق ہے اور حضور اکرم ﷺ کی منشاء کے بھی عین مطابق ہے۔

روایت نمبر 2 :

امام مالکؒ فرماتے ہیں: عن یزید بن رومان انہ قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی رمضان بثلٰث و عشرین رکعۃ۔

ترجمہ: حضرت یزید بن رومان تابعیؒ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین عظام) حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے زمانہ خلافت میں ماہ رمضان میں تئیس رکعات (20 تراویح اور 3 وتر) پڑھتے تھے۔ (موطا امام مالک ص 40)

حضرت یزید بن رومان، امام مالک وغیر کے استاد اور حضرت انس حضرت عبداللہ بن زبیر وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔ یہ بالاتفاق ثقہ تابعی ہیں۔ امام یحییٰ بن معینؒ، امام نسائی اور امام ابن حبان وغیرہ نے آپ کی توثیق کی۔ (تہذیب التہذیب 325/11 حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی آپ کو ثقہ شمار کیا ہے۔ (تقریب التہذیب 323/2)

اس روایت پر یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ منقطع (مرسل) ہے کیونکہ یزید بن رومان کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔

جواب اول :

لیکن یہ اعتراض بھی مردود ہے کیونکہ یہ روایت بھی مرسل معتضد ہے اور ابھی گذرا ہے کہ مرسل معتضد بالاتفاق حجت ہے۔

جواب ثانی:

یہ مؤطاامام مالک کی مرسل روایت ہے اور مؤطامیں جتنی بھی مرسل روایات ہیں ان کے صحیح اور قابل حجت ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ چنانچہ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں۔ وما من مرسل فی المؤطاالاولہ عاضداو عواضد فالصواب ان المؤطا صحیح لایستثنیٰ منہ شئ۔۔ مؤطا کی کوئی مرسل روایت نہیں ہے جس کیلئے کوئی ایک یاایک سے زیادہ مؤید موجود نہ ہوں۔ پس صحیح یہ ہے کہ مؤطا کی تمام روایات بلااستثناء صحیح ہیں۔ (مرقات شرح مشکوٰۃ (18/1

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: شیخ ابن عبدالبر مالکیؒ نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں مؤطا کی تمام مراسیل کا وصل ثابت کر دکھایا ہے اور لکھا ہے کہ مؤطامیں کل اکسٹھ مراسیل ہیں۔ جن میں سے چار روایتیں ایسی ہیں جن کا اتصال ثابت کرنے سے ہم قاصر رہے ہیں۔ باقی تمام مراسیل ومنقطعات کا اتصال دوسرے طرق واسناد سے محدثین پر واضح ہو چکا ہے۔ اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہؒ نے وہ چاروں روایتیں ذکر کیں ہیں لیکن ان میں یہ مذکورہ روایت زامل نہیں ہے۔ (مصفیٰ شرح مؤطا مطبوعہ دہلی ص 7 – 8 بحوالہ التوضیح عن رکعات التراویح ص (115 - 114

مولانا عبدالرحمان مبارکپوری صاحب اور مولانا غلام رسول صاحب غیر مقلد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے نقل کرتے ہیں: واتفق اھل الحدیث علیٰ ان جمیع مافیہ صحیح علیٰ رائ مالک ومن وافقہ واما علی ارئ غیرہ فلیس فیہ مرسل ولا منقطع الاقد اتصل السند بہ من طرق اخریٰ فلا جرم انھا صحیحۃ من ھذاالوجہ۔۔

تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ مؤطامیں جتنی بھی روایات ہیں، وہ سب امام مالکؒ اور ان کے موافقین کی رائے پر صحیح ہیں۔ رہے دوسرے حضرات (جو مرسل کو حجت نہیں مانتے۔ ناقل) تو ان کے نزدیک بھی مؤطامیں کوئی ایسی مرسل یا منقطع روایت نہیں، جس کا دوسرے طریقوں سے اتصال ثابت نہ ہوتا ہو پس اس لحاظ سے بلاشبہ وہ (مرسل و منقطع) روایات بھی صحیح ہیں۔ (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص 30، رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع ص (133/1 بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ 41۔

نیز مولانا میاں غلام رسول صاحب غیر مقلد فرماتے ہیں: صاحب کبیری نے جو یہ کہا ہے کہ یزید بن رومان کی حدیث منقطع ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغۃ میں فرمایا ہے تمام اہل حدیث کے اتفاق سے مؤطا کی سب حدیثیں صحیح ہیں۔ (رسالہ تراویح مع ترجمہ (ینابیع ص 42

مشہور غیر مقلد محدث حافظ گوندلوی صاحب (سابق امیر جماعت اہل حدیث) لکھتے ہیں: ائمہ حدیث کا اتفاق ہے کہ مؤطا کی جملہ احادیث امام مالکؒ کے ہاں ضرور صحیح ہیں اور ان کے ہم خیال بھی آپ سے ان کی صحت میں متفق ہیں اور جو ان کے ہم نوا نہیں۔ اس قدر انہین بھی تسلیم ہے کہ اس میں کوئی ایسی مرسل، منقطع نہیں جو بسند صحیح نہ ہو۔ (مگر چند امور کما ثبت بالتتبع) بلاشبہ اس حیثیت سے یہ بھی صحیح ہیں۔ (التحقیق الراسخ ص 16 – (17

مولوی محمد قاسم خواجہ غیر مقلد لکھتے ہیں: مؤطاامام مالک جس کے متعلق شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں امام شافعیؒ کا قول ہے یہ مؤطا کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب ہے اور تمام اہل حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کی تمام حدیثیں صحیح ہیں۔ (حی علی الصلوٰۃ ص 18)

لہذا جب سب محدثین اور خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی مؤطا کی تمام مراسل روایات صحیح ہیں تو پھر مؤطا کی مذکورہ مرسل روایت پر ان کا اعتراض

فضول ہے۔

جواب ثالث :

یزید بن رومان کی مذکورہ حدیث کو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے (فتح الباری) میں ذکر کر کے سکوت فرمایا ہے اور اس پر کسی قسم کی جرح نہیں کی اور متعدد علمائے غیر مقلدین نے تصریح کی ہے کہ حافظ ابن حجرؒ کا کسی حدیث کو فتح الباری میں ذکر کر کے اس پر جرح نہ کرنا اس حدیث کے صحیح یا کم از کم حسن ہونے کی دلیل ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمان مبارکپوری صاحب ایک حدیث (جس پر حافظ ابن حجرؒ نے سکوت کیا ہے اور جرح نہیں کی) لکھتے ہیں: ذکرہ الحافظ ابن حجر فی فتح الباری وھو حسن عندہ علی ما اشترط فی اوائل مقدمۃ فتح الباری الخ (ابکار المنن ص 45)

اسی طرح ایک اور حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: وسکت (ابن حجر) عن حدیث وائل وحدیث ھلب فلو کانا ایضا ضعیفین عندہ لبیّن ضعفھا ضعفھا ولانہ قال فی اوائل مقدمۃ فتح الباری الخ (ابکار المنن ص 106)

مولانا عبدالرؤف سندھو لکھتے ہیں: فتح الباری میں حافظ ابن حجر کا سکوت اس کے حسن ہونیکی علامت ہے، (القول المقبول ص 434)

حافظ زبیر علی زئی مولانا عبدالمنان نورپوری صاحب غیر مقلد کے حوالہ سے لکھتے ہیں: حافظ ابن حجر نے عتبہ بن عامر کے اثر کو فتح الباری میں نقل فرما کر سکوت فرمایا ہے۔ لہذا ان کی شرط کے اعتبار سے یہ اثر ان کے نزدیک کم از کم حسن تو ضرور ہے۔ (نور العنیین ص 145 حاشیہ نمبر 1)

الغرض یہ روایت غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں ہر لحاظ سے صحیح ہے۔

اعتراض ثانی:

غیر مقلدین حضرات اس روایت پر یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے خالی ہے اس میں صرف یہی ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے۔ اس میں اس امر کی تصریح نہیں کہ جو لوگ بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے وہ بحکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ پڑھتے تھے۔ (رکعات تراویح ص 19 از حافظ عبداللہ غازی پوری، تعداد قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ ص 70، از حافظ زبیر علی زئی، تعداد تراویح ص 62 از حافظ عبدالمنان نورپوری وغیرہ)

الجواب:

یہ اعتراض بھی کئی وجہ سے باطل ہے۔

1۔ اگرچہ اس روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تصریح نہیں لیکن دیگر روایات میں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تصریح موجود ہے۔ مثلا حضرت یحییٰ بن سعید انصاری کی روایت جو ابھی گذری ہے۔ اسی طرح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت (دیکھئے کنز العمال 409/8) اور حضرت حسن بصریؒ کی روایت (دیکھئے سنن ابی داؤد 202/1) میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تصریح موجود ہے۔

لہذا جن روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تصریح نہیں ان کو بھی ان کے حکم والی روایات پر محمول کیا جائے گا کیونکہ ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر بیان کرتی ہے۔ چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: اور اصول کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے۔ الحدیث یفسر بعضہ بعضا۔ کہ ایک حدیث دوسری کی وضاحت کرتی ہے۔ (توضیح الکلام 1/489-544)

2۔ خود غیر مقلدین کے اکابر کو بھی یہ بات تسلیم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو لوگ بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم اور فرمان سے ہی پڑھتے تھے،

3۔ یہ اعتراض ہی فضول ہے کیونکہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت اور مدینہ جیسے شہر کا واقعہ ہے (اس لئے کہ اس روایت کے راوی حضرت یزید بن رومان مدنی ہیں۔ نیز متصل آئندہ روایت میں مدینہ منورہ کی تصریح ہے) اور حضرت عمر رضی اللہ نے ہی لوگوں کو تراویح کی جماعت پر اکھٹا فرمایا اور اس کی ترغیب دی بلکہ آپ ﷺ کا لوگوں کے ساتھ تراویح پڑھنا بھی ثابت ہے۔ چنانچہ مدونہ کبریٰ جلد 1 ص 194 میں ہے۔ ان عمر رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ کانا یقومان فی رمضان مع الناس۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ لوگوں کے ساتھ تراویح پڑھتے تھے۔ اور بخاری و مؤطا وغیرہ کے حوالہ سے یہ روایت گزر چکی ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی مقرر کردہ جماعت تراویح کا معائنہ بھی فرمایا اور اس کو نعمت البدعۃ سے تعبیر فرمایا: اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کا یہ بیس رکعات تراویح پڑھنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زیر علم تھا۔

)مولانا نزیر رحمانی صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ لوگوں کا بیس تراویح پڑھنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زیر علم تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس (تراویح) پر نکیر نہیں فرمائی یہی اہل حدیث کا مذہب بھی ہے، (انوار المصابیح ص 233 (

نیز جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی جماعت قائم فرمائی اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو اس کا امام مقرر فرمایا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس کی تعداد مقرر نہ فرمائی ہو اور اسے لوگوں کی مرضی پر چھوڑ دیا ہو؟؟

)جبکہ مولانا وحید الزماں غیر مقلد رقم طراز ہیں: کوئی یہ وہم نہ کرے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے (تراویح کی جماعت مقرر کرکے۔ ناقل) دین میں ایک بات شریک کر دی جسکا اختیار ان کو نہ تھا۔ اسی طرح بیس رکعات تراویح کا حکم اپنی رائے سے دے دیا۔ حاشا وکلا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسا کرتے بلکہ انہوں نے طریقہ نبوی ﷺ کا اتباع کیا۔ آنحضرت ﷺ کی حیات میں ایک ہی امام کے پیچھے سب نے تراویح پڑھی۔ ایک مسجد میں متعدد جماعتیں ایک ہی وقت آنحضرت ﷺ کے عدی میں کبھی نہیں ہوئیں۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ضرور آنحضرت ﷺ کو بیس رکعتیں تراویح کی پڑھتے ہوئے دیکھا ہو گا۔ گو ہم تک یہ روایت بہ سند صحیح نہیں پہنچی۔ اس کی سند میں ابو شیبہ ابرہیم بن عثمان منکر الحدیث ہے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ اس سے بہت پہلے تھا۔ ان کو بہ سند صحیح یہ پہنچ گئی ہو گی یا انہوں نے خود دیکھا ہو گا۔ (لغات الحدیث مادہ وزغ) مولانا وحید الزمان غیر مقلد کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی جماعت قائم کی اسی طرح انہوں نے تراویح کی تعداد بھی مقرر کی تھی (

بالفرض مان لیا جائے کہ یہ لوگ خود اپنی مرضی سے بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے تو کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اس فعل سے منع فرمایا تھا؟؟؟ ہر گز نہیں۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا باوجود اس کا علم ہونے کے لوگوں کو اس فعل سے منع نہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں کے اس عمل میں ان کی رضامندی بھی شامل تھی اور ان کے نزدیک یہی سنت تھی۔ ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا متبع سنت اور عاشق رسول صحابی

کیسے برداشت کر سکتا ہے کہ ان کے ماتحت رعایا کوئی غلط یا خلاف سنت کام سرانجام دیں۔ لہذا اگر بالفرض یہ ان کی قولی یا فعلی سنت نہیں تو ان کی تقریری سنت ضرور ہے۔

4۔ خود غیر مقلدین کے اپنے دلائل (روایات عمر رضی اللہ عنہ) میں سوائے مؤطا امام مالک کی روایت کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تصریح نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا نزیر احمد رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں: امام مالک کی روایت میں (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے) کے حکم دینے کا ذکر ہے اور دوسروں کی روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ (انوار المصابیح ص 237)

لیکن اس کے باوجود غیر مقلدین ان روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تصریح نہ ہونے کے باوجود بھی بڑے طمطراق سے ان کا استدلال کرتے ہیں اور وہاں وہ جو عذر بیان کرتے ہیں وہ بھی ملاحظہ کریں۔

چنانچہ یحییٰ بن سعید کی روایت کے ذیل میں حافظ عبدالمنان نور پوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: یہ درست ہے کہ یحییٰ بن سعید کے بیان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کا ذکر نہیں مگر اس کے بیان میں حضرت عمر رضی اللہ کے حکم کی نفی بھی تو نہیں۔ (تعداد تراویح ص 144)

کیا ہم بھی غیر مقلدین سے ایسے انصاف کی توقع رکھ سکتے ہیں۔ دیدہ باید

روایت نمبر 3۔

امام ابو بکر بن ابی شیبہؒ روایت کرتے ہیں: ثنا حمید بن عبدالرحمٰن عن حسن عن عبدالعزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینۃ عشرین رکعت ویوتر بثلاث۔

ترجمہ :

حضرت عبدالعزیز بن رفیع تابعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (عہد فاروقی میں) لوگوں کو مدینہ منورہ میں بیس رکعات (تراویح) اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ 285/3)

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔ سند کے پہلے راوی امام ابو بکر بن ابی شیبہؒ صاحب مصنف بالاتفاق ثقہ امام ہیں۔ حافظ ذہبیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں۔ الحافظ عدیم النظر، الثبت التحریر۔ (تذکرۃ الحفاظ 432/2)

دوسرے راوی حمید بن عبدالرحمٰن الرؤاسی ابو عوف الکوفی ہیں۔ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ: یہ ثقہ تھے۔ امام احمدؒ بھی ان کی تعریف کرتے ہیں، امام ابن حبانؒ نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے، امام ابن سعد فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ امام عجلیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ثبت، عاقل اور ناسک تھے۔ امام ابو بکر بن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان جیسے لوگ کم دیکھے ہیں۔ (تہذیب التہذیب 34/3، تذکرۃ الحفاظ 288/1)

تیسرے راوی حسن بن صالح بن حیی بھی بالاتفاق ثقہ ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ ان کو ثقہ۔ صحیح الروایۃ اور اثبت فی الحدیث کہتے ہیں۔ امام نسائیؒ، امام یحییٰ بن معینؒ اور امام ابو حاتمؒ بھی ان کو ثقہ بتلاتے ہیں۔ امام ابو زرعہؒ فرماتے ہیں کہ حسن بن صالح میں اتقان (روایت حدیث میں پختگی) فقہ، عبادت اور زہد چاروں چیزیں جمع تھیں، عبدہ بن سلیمان کا قول ہے کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی حسن بن صالح کو عذاب دینے سے حیا (در گزر) فرمائیں گے۔ (تہذیب الکمال 349/4 تہذیب التہذیب) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں، ثقہ، فقیہ، عابد۔ (تقریب 205/1)

چوتھے راوی حضرت عبدالعزیز بن رفیعؒ ثقہ تابعی ہیں۔امام احمدؒ۔امام یحییٰ بن معینؒ۔امام ابو حاتم رازیؒ اور امام نسائیؒ وغیرہ ان کو ثقہ کہتے ہیں،امام ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔امام عجلیؒ فرماتے ہیں کہ عبدالعزیز بن رفیعؒ ثقہ تابعی ہیں۔امام یعقوب بن شیبہؒ فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث حجت کا درجہ رکھتی ہیں۔(تہذیب الکمال 496/11 تہذیب التہذیب 30/6)حافظ ابن حجرؒ نے آپ کو ثقہ بتلایا ہے۔(تقریب 603/1)

اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔غرض یہ روایت بالکل صحیح اور مرسل معتضد ہے جس کے حجت ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

روایت نمبر 4 :

امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں: حدثنا شجاع بن مخلد نا ھیثم نا یونس بن عبید عن الحسنؒ ان عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب جمع الناس علی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فکان یصلی لھم عشرین رکعۃ۔

ترجمہ۔

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (کی اقتدا) پر اکھٹا فرمایا تو وہ لوگوں کو بیس رکعات (تراویح) پڑھاتے تھے۔(سنن ابی داؤد 203/1 طبع میر کتب خانہ کراچی و مطبع مجتبائی دہلی)

اس حدیث کی سند کے راویوں کا حال ملاحظہ کریں۔

امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانیؒ جو ثقہ حافظ اور سنن ابی داؤد وغیرہ کے مصنف اور بڑے علماء محدثین میں سے ہیں۔(تقریب التہذیب 382/1)

شجاع بن مخلد الفلاس البغوی: امام ابن معینؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں ان کو پہچانتا ہوں،ان میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ بہت اچھے شیخ (بزرگ) اور ثقہ ہیں،امام ابن حبانؒ نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے،امام ابوزرعہؒ اور امام احمدؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔امام ابن قانعؒ اور حسین بن فہمؒ فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ اور ثبت ہیں۔(تہذیب التہذیب 312/4)حافظ ابن حجر ان کو صدوق لکھتے ہیں۔(تقریب التہذیب 412/1)

ھیثم بن بشیر السلمی الواسطی ثقہ راوی ہیں۔امام ابن مھدیؒ،امام عجلیؒ،امام ابو حاتمؒ،امام ابوزرعہؒ،امام ابن سعدؒ وغیرہ محدثین نے ان کو ثقہ، صدوق اور حافظ قرار دیا ہے۔البتہ یہ مدلس راوی ہیں۔لیکن انہوں نے یہ حدیث انا (اخبرنا) سے بیان کی ہے لہذا ان کا مدلس ہونا یہاں مضر نہیں۔چنانچہ امام ابن سعدؒ فرماتے ہیں: کان ثقہ کثیر الحدیث ثبتا یدلس کثیرا فما قال فی حدیثہ انا فھو حجۃ ومالم یقل فلیس بشئی۔ ھیثم ثقہ، کثیر الحدیث، ثبت اور کثیر التدلیس ہیں پس جب یہ جس حدیث میں انا (اخبرنا) کہیں تو وہ حجت ہیں اور جب یہ لفظ نہ کہیں تو پھر یہ کوئی شئی نہیں ہیں۔(تہذیب التہذیب 59/11)

یونس بن عبید العبدی ثقہ تابعی اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔حافظ ابن حجر ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقہ ثبت فاضل ورع۔(تقریب التہذیب 349/2)

امام حسن بن ابوالحسن بصریؒ مشہور اور جلیل القدر امام ہیں۔حافظ ابن حجرؒ ان کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں: ثقہ فقیہ۔فاضل مشہور۔(تقریب التہذیب 202/1)

)ف) سنن ابی داؤد کا وہ نسخہ جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کی تصحیح کے ساتھ مطبع مجتبائی دہلی سے طبع ہوا تھا اس میں یہ روایت عشرین رکعۃ کے الفاظ سے نقل ہوئی ہے اور اس کے حاشیہ پر یہ عبارت بھی لکھی ہوئی ہے۔ کذا فی نسخۃ مقروءۃ علی الشیخ مولانا محمد اسحاقؒ یعنی اسی طرح عشرین رکعۃ کے الفاظ اس نسخہ میں ہیں جو مولانا محمد اسحاق صاحب دہلویؒ (جو غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نزیر حسین دہلوی صاحب کے بھی استاد ہیں) کے سامنے پڑھا جاتا تھا۔ اسی طرح شمس الدین الذھبیؒ المتوفی 748ء (جو بالاتفاق ثقہ اور معتبر امام ہیں) نے بھی یہی روایت سنن ابی داؤد کے حوالہ سے عشرین رکعۃ کے الفاظ کے ساتھ نقل فرمائی ہے۔ (سیر اعلام النبلاء 404/1)

اسی طرح حافظ ابن کثیرؒ المتوفی 774ھ اور امام ابن قدامہ حنبلیؒ المتوفی 620ھ نے بھی یہ روایت بحوالہ سنن ابی داؤد عشرین رکعۃ کے الفاظ سے نقل کی ہے۔ (جامع المسانید والسنن رقم الحدیث 26 المغنی 2/ بحوالہ تنبیہ الغافلین ص 31 – 35)

لیکن مشکوٰۃ تحفۃ الاشراف وغیرہ میں یہ روایت عشرین رکعۃ کے بجائے عشرین لیلۃ کے الفاظ سے درج ہے۔ اب موجودہ غیر مقلدین ان حوالوں کو لیکر یہ واویلا کرتے ہیں کہ عشرین رکعۃ والا نسخہ محرّف ہے اور دیوبندیوں کے شیخ الہند نے اس میں تحریف کر کے عشرین لیلۃ کو عشرین رکعۃ بنادیا ہے

لیکن غیر مقلدین کا یہ محض غیر مقلدانہ واویلا اور جاہلانہ شور شرابہ ہے کیونکہ حضرت شیخ الہند کی ولادت 1268ھ میں ہوئی جبکہ ان کی ولادت سے بھی کئی سو سال پہلے امام ذہبیؒ حافظ ابن کثیرؒ اور حافظ ابن قدامہؒ وغیرہ محدثین نے یہی روایت عشرین رکعۃ سے نقل فرمائی ہے اور شیخ الہند کی ولادت سے کئی عرصہ پہلے مسند الہند حضرت شاہ اسحاق دہلویؒ کے سامنے بھی یہی عشرین رکعۃ والا نسخہ پڑھا جاتا تھا۔ اور اگر مولانا نزیر حسین دہلوی صاحب غیر مقلد شاہ اسحاق صاحب کے شاگرد ہیں تو انہوں نے بھی دوران سبق یہی نسخہ حضرت شاہ صاحب سے پڑھا ہوگا۔ تو کیا اب غیر مقلدین حضرات ان سب بزرگوں کو بھی شیخ الہند کی طرح محرّف اور غلط کا ہونے کا الزام لگائیں گے۔ دیدہ باید۔ لیکن

ع مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے

غیر مقلدین عشرین رکعۃ والے نسخہ کو غلط ثابت کرنے کیلئے جو دلائل ذکر کرتے ہیں کہ فلاں فلاں کتاب میں یہ روایت عشرین لیلۃ کے ساتھ درج ہے تو یہ دلائل ہمارے دعویٰ کے خلاف نہیں ہیں اور نہ ہی ان سے عشرین رکعۃ والے نسخہ کا محرّف ہونا لازم آتا ہے کیونکہ ان سے تو صرف عشرین لیلۃ والے نسخہ کا اثبات ہوتا ہے کہ عشرین لیلۃ والا نسخہ بھی ثابت ہے اور اس میں ہمیں کوئی انکار نہیں کیونکہ ہمارا دعویٰ یہ نہیں کہ ہر نسخہ میں عشرین رکعۃ کے الفاظ ہیں بلکہ ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ ابوداؤد کے بعض نسخوں میں یہ روایت عشرین رکعۃ کے ساتھ ہے اور بعض نسخوں میں عشرین لیلۃ کے ساتھ درج ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے نسخہ کا محرّف ہونا تب لازم آتا جب غیر مقلدین کم از کم کسی ایک ہی معتبر محدث کا حوالہ پیش کر دیتے کہ عشرین رکعۃ والا نسخہ محرّف ہے۔ لیکن یہ بات غیر مقلدین قیامت کی صبح تک ثابت نہیں کر سکتے۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔ اس کے برخلاف ہم نے امام ذہبیؒ وغیرہ چوٹی کے محدثین کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ عشرین رکعۃ والا نسخہ ثابت ہے۔ باقی اگر کسی نسخہ میں عشرین رکعۃ کے الفاظ نہیں اور اس کے بجائے عشرین لیلۃ کے الفاظ ہیں تو اس سے عشرین رکعۃ والے نسخہ کا محرّف یا الحاقی ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ مشہور غیر مقلد محقق مولانا عبدالرحمان مبارکپوری صاحب نے تصریح کی ہے کہ: کتب حدیث میں متعدد روایات اور عبارات ایسی ہیں جو بعض نسخوں میں ہیں اور بعض نسخوں میں نہیں مگر کوئی بھی ان کو الحاقی نہیں بتلاتا۔ (تحقیق الکلام 149/2)

لہذا اگر کسی نسخہ میں عشرین رکعۃ کے بجائے عشرین لیلۃ کے الفاظ درج ہیں تو اس سے عشرین رکعۃ والے نسخہ کا محرّف ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ عشرین رکعۃ والا نسخہ بھی ثابت ہے اور اس سے بیس رکعات تراویح پر استدلال بھی درست ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو عشرین رکعۃ والا نسخہ ہی راجح

معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی باقی روایات میں بھی یہی عشرین رکعۃ کے الفاظ آئے ہیں مثلا عبدالعزیز بن رفیع کا اثر جو ابھی گذرا ہے اس میں بھی یہی الفاظ ہیں: یصلی بالناس فی رمضان بالمدینۃ عشرین رکعۃ۔ کنزالعمال 409/8 کی روایت میں ہے: فصلی بھم عشرین رکعۃ، اسی طرح روایت نمبر 1 جو یحییٰ بن سعید سے مروی ہے اس میں بھی یہ الفاظ ہیں: ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ امر رجل (ای ابی بن کعب رضی اللہ عنہ) فلما جمعھم عمر علیٰ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کان یصلی بھم عشرین رکعۃ۔ (مجموعۃ الفتاویٰ 520/11)

حافظ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں: ولنا ان عمر رضی اللہ عنہ جمع الناس علیٰ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کان یصلی لھم عشرین رکعۃ۔۔ (المغنی 799/1)

معلوم ہوا کہ عشرین رکعۃ والا نسخہ ہی راجح ہے اور غیر مقلدین کا ابوداؤد کے اس نسخہ کو محرّف کہنا باطل ہے۔

روایت نمبر 5:

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں: اخبرنا ابو طاہر الفقیہ قال اخبرنا ابو عثمان البصری حدثنا ابو احمد بن عبدالوہاب قال اخبرنا خالد ابن مخلد قال حدثنا محمد بن جعفر قال حدثنی یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید قال کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بعشرین رکعۃ والوتر۔ (معرفۃ السنن والآثار 42/4)

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ہم (نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بیس رکعات اور (تین) وتر کے ساتھ قیام کرتے تھے۔ اس روایت کی سند کو امام سبکیؒ نے شرح منہاج میں اور ملا علی قاریؒ نے شرح مؤطا میں صحیح قرار دیا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی 75/2)

اسی طرح امام عراقیؒ نے بھی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔ (طرح التثریب 88/3)

اس روایت پر غیر مقلدین نے دو طرح سے کلام کیا ہے۔

اولا :

ابو طاہر فقیہ کی کسی نے توثیق نہیں کی۔

ثانیا :

اس روایت میں ابو عثمان بصری مجہول ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمان مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں: اس روایت میں ایک راوی ابو طاہر ہے جن کی نسبت ہم کو علم نہیں کہ کسی نے ان کو ثقہ قرار دیا ہو۔ دوسرے ابو عثمان ہیں جن کا تذکرہ ہم کو کسی کتاب میں نہیں ملا لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔ (تحفۃ الاحوذی 75/2)

لیکن غیر مقلدین کے اس اعتراض کی دونوں شقیں باطل ہیں۔ اول اس لئے کہ ائمہ رجال نے ابو طاہر محمد بن محمش کی باقاعدہ توثیق کی ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبیؒ اور حافظ ابن العمادؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: الفقیہ الشافعی عالم نیسابور ومسندھا۔۔۔ وکان قانعا متعففا۔۔۔ وروی عنہ الحاکم مع تقدیمہ واثنیٰ علیہ۔ (العبر 218/2 شذرات الذھب 192/3)

یہ نیشاپور کے عالم اور مسند تھے اور دنیا سے قناعت کرنے والے اور پاک دامن شافعی المسلک فقیہ تھے۔ امام حاکم نے ان سے باوجود متقدم ہونے کے روایت بھی کی ہے اور ان کی تعریف بھی کی ہے۔ نیز امام ذہبیؒ اس کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں۔ مسند نیسابور العلامۃ ابو طاہر محمد بن محمش الزیادی۔ (تذکرۃ الحفاظ 169/3)

امام سبکیؒ فرماتے ہیں: الفقیہ شیخ ابو طاہر زیادی امام المحدثین والفقہاء نیسابور فی زمانہ وکان شیخا ادیبا، عارفا بالعربیۃ سلمت الیہ الفقہاء بمدینۃ نیسابور والمشیخۃ ۔(طبقات الکبریٰ 83/3 بحوالہ رکعات التراویح ص 48)

یعنی فقیہ شیخ ابو طاہر زیادی اپنے زمانہ کے نیساپور شہر کے تمام محدثین اور فقہاء کے امام تھے اور وہ شیخ، ادیب اور عربی زبان کے عالم تھے، نیساپور شہر کے تمام فقہاء نے فتویٰ نویسی اور بزرگی ان کو سونپ دی تھی۔ امام سبکی علامہ عبد الغافر سے ان کے بارے میں نقل کرتے ہیں۔ امام اصحاب الحدیث بخراسان و فقیہم بالاتفاق بلا مدافعۃ۔ (ایضا)

یعنی وہ پورے خراسان کے بالاتفاق اور بلا اختلاف امام اصحاب الحدیث اور ان کے فقیہ تھے۔ اب جبکہ امام حاکمؒ، امام ذہبیؒ اور ابن العماد نے ابو طاہر کی توثیق کی ہے۔ اسی طرح امام سبکی اور علامہ عبد الغافر نے ابو طاہر کو شیخ اور امام کے القاب سے ملقب فرمایا ہے اور لفظ شیخ اور لفظ امام بھی الفاظ توثیق میں سے ہیں۔ چنانچہ امام سیوطیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے لفظ شیخ کو کلمات توثیق میں شمار کیا ہے۔ (تدریب الراوی 213/1 شرح نخبۃ الفکر ص 134)

اسی طرح امیر صنعانی نے بھی قصب السکر میں لفظ شیخ کو الفاظ تعدیل میں شمار کیا ہے۔ (قصب السکر فی نظم نخبۃ الفکر ص 158 مع شرح نخبۃ الفکر)

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں: شیخ کا لفظ الفاظ تعدیل میں شمار ہوتا ہے۔ (توضیح الکلام 480/1)

اسی طرح زین الدین عراقیؒ مولانا عبد الرحمان مبارکپوری غیر مقلد اور مولانا سلطان محمود صاحب غیر مقلد نے بھی لفظ شیخ کو الفاظ تعدیل میں شمار کیا ہے۔ (دیکھئے الفقیہ الحدیث مع التعلیقات الاثریہ ص 46 ابکار المنن ص 140 اصطلاحات المحدثین ص 21)

اسی طرح لفظ امام بھی الفاظ توثیق میں ہے چنانچہ علامہ سخاویؒ اور علامہ سندھی نے اس کا کلمات توثیق میں شمار کیا ہے۔ (الرفع والتکمیل ص 13)

اعتراض :

مولانا نزیر احمد رحمانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: حافظ سخاویؒ نے جو کچھ لکھا ہے اس کا منشاء یہ ہے کہ جب کسی عادل کے حق میں یہ الفاظ (امام اور حافظ) استعمال کئے جائیں گے تو اس وقت ان کا شمار الفاظ توثیق میں ہو گا۔ (انوار المصابیح ص 223)

الجواب :

اگر رحمانی صاحب کی یہ بات بالکلیہ تسلیم بھی کر لی جائے تو پھر بھی ابو طاہر فقیہ کے حق میں یہ کوئی مضر نہیں کیونکہ جب امام سبکیؒ اور ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کو صحیح کہہ کر اس کی توثیق کر دی ہے اور امام سبکی اور امام عبد الغافرؒ نے اس کے بارے میں شیخ کہا ہے جو بالاتفاق الفاظ توثیق میں سے ہے تو اس سے ابو طاہر کا ثقہ اور عادل ہونا ثابت ہو گیا۔ لہذا جب اس کے حق میں لفظ امام استعمال کیا گیا تو چونکہ یہ لفظ ایک عادل کے حق میں استعمال کیا گیا ہے تو گویا رحمانی صاحب کے بیان کردہ قاعدہ کے موافق بھی ابو طاہر کے حق میں لفظ الفاظ توثیق میں سے ہے

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد نے بھی لفظ امام کو کلمات توثیق میں شمار کیا ہے۔۔ (دیکھئے الکواکب الدریہ ص 65)

اب جبکہ امام حاکم، امام سبکی، امام عبد الغافر، امام ذہبیؒ، علامہ ابن العماد نے باقاعدہ ابو طاہر کو ثقہ قرار دیا ہے تو پھر یہ مجہول کیسے ہے؟؟؟ اور خود غیر مقلدین کے مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبد الجلیل شہسوانی بھی ابو طاہر کو ثقہ کہتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ ابو طاہر فقیہ محمد بن محمش مشہور ثقات سے ہیں۔ (فتاوی اہلحدیث 511/1)

نیز اس کی مذکورہ روایت کو امام سبکیؒ اور ملا علی قاریؒ نے صحیح قرار دیا ہے اور مولانا عبد المنان نور پوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: جب کسی حدیث کو صحیح کہا جاتا ہے تو اس کے ضمن میں اس کے راویوں کی توثیق بھی آجاتی ہے، (تعداد تراویح ص 46)

حافظ زبیر علی زئی صاحب غیر مقلد ایک راوی (محمد بن یحییٰ الصفار جس کو کسی امام نے بھی ثقہ نہیں کہا) کے بارے میں لکھتے ہیں۔ بیہقی نے اس کی حدیث کی تصحیح کر کے اس کی توثیق کی ہے۔ (دیکھئے الکواکب الدریہ ص 45)

نیز موصوف ایسے ہی ایک اور راوی کی روایت کے متعلق لکھتے ہیں: الحاکم والذہبی کا اس کی حدیث کو صحیح کہنا اس کی توثیق ہے۔ (دیکھئے الکواکب الدریہ ص 45)

مولانا محمد گوندلوی غیر مقلد ایک راوی کے متعلق لکھتے ہیں: دار قطنی نے اس اثر کو صحیح کہا ہے۔ ان ہاں یہ راوی مجہول نہیں۔ (خیر الکلام ص 221)

بنا بریں جب امام سبکیؒ اور ملا علی قاریؒ نے ابو طاہر فقیہ کی حدیث مذکورہ کو صحیح کہہ کر اس کی توثیق کی ہے اور امام حاکمؒ وغیرہ حضرات نے صراحتا اس کی توثیق کر دی تو پھر غیر مقلدین کیسے اس کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مجہول ہے اور اس کی کسی نے توثیق نہیں کی، بلکہ امام سبکی اور امام عبد الغافر نے تو اس کے بارے میں یہاں تک فرمایا ہے کہ نیشاپور شہر کے تمام محدثین اور فقہاء نے ابو طاہر کو اپنا امام اور مقتداء تسلیم کیا ہے۔ اور ذہبی اور علامہ ابن العماد نے اس کو مسند نیشاپور کہا ہے۔ اب جس شخص کو نیشاپور جیسے شہر (جو اپنے وقت میں بڑے بڑے محدثین اور فقہاء کا مسکن رہا ہے) کے محدثین اور فقہاء بلا اختلاف اپنا رہنما تسلیم کرتے ہیں تو ایسے شخص کی ثقاہت اور عدالت میں کیا شک ہو سکتا ہے؟؟؟ کیونکہ یہ بات ناممکن ہے کہ یہ تمام محدثین اور فقہاء ایک غیر ثقہ اور غیر معروف العدالۃ شخص کو اپنا امام تسلیم کریں۔ لہذا اگر انہوں نے ابو طاہر فقیہ کو اپنا امام مانا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ تمام شہر کے محدثین اور فقہاء کے حلقہ میں ابو طاہر کی عدالت اور ثقاہت مشہور و معروف تھی اور ایسا شخص جس کی عدالت اہل علم کے ہاں مشہور و معروف ہو تو اس کی عدالت کے متعلق سوال ہی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں: فمن اشتھرت عدالتہ بین اھل العلم و شاع الثناء علیہ کفی فیھا۔ (تقریب مع تدریب الراوی 255/1)

جس شخص کی عدالت اہل علم میں مشہور و معروف ہو اور اس کی تعریف عام ہو تو یہ اس کی عدالت کیلئے کافی ہے۔

بنا بریں اگر ابو طاہر فقیہ کی محدثین (امام سبکی، امام عبد الغافر، ملا علی قاریؒ وغیرہ) نے توثیق نہ بھی کی ہوتی تو ان محدثین اور فقہاء کا اس کو اپنا امام اور رہنما تسلیم کرنا ہی اس کی عدالت اور ثقاہت کیلئے کافی تھا لیکن جب ان محدثین نے اس کی باقاعدہ توثیق بھی کر دی تو پھر اس کے عادل اور ثقہ ہونے میں کوئی شک و شبہ ہی نہیں رہا۔

اسی طرح غیر مقلدین کے اعتراض کی دوسری شق بھی باطل ہے کہ اس روایت کے دوسرے راوی ابو عثمان بصری مجہول ہیں: اولا ائمہ حدیث اور ائمہ رجال میں سے کسی امام نے ابو عثمان کو مجہول نہیں قرار دیا بلکہ ائمہ حدیث امام سبکیؒ، ملا علی قاریؒ اور امام عراقیؒ وغیرہ نے اس کی حدیث کو صحیح کہہ کر اس کی توثیق کی ہے (جیسا کہ غیر مقلدین حضرات کے حوالے سے گزر چکا ہے)۔ اگر ابو عثمان بصری مجہول ہوتے تو پھر یہ بڑے بڑے محدثین اس کی روایت کو کیسے صحیح کہہ سکتے تھے۔ کیوں کہ کسی روایت کے صحیح ہونے کیلئے شرط ہے کہ اس کی سند میں کوئی مجہول راوی نہ ہو۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد محدث مولانا محمد گوندلوی صاحب لکھتے ہیں: جس روایت میں مجہول راوی ہو وہ ضعیف ہوتی ہے۔ (خیر الکلام ص 406)

ثانیا:

ابو عثمان (عمرو بن عبد اللہ) البصری سے ابو طاہر فقیہ اور حسن ابن علی بن موئل وغیرہ نے روایت کی ہے اور اس مذکورہ روایت کے علاوہ اور بھی کئی روایات السنن الکبریٰ للبیہقی میں ان سے مروی ہیں۔ (التعلیق الحسن ص 251)

اور کسی محدث نے ان کی تضعیف نہیں کی بلکہ امام سبکیؒ، ملا علی قاریؒ اور امام عراقیؒ وغیرہ نے اس کی حدیث کی تصحیح کر کے اس کی توثیق کی ہے اور اصول حدیث کا متفقہ اصول ہے کہ جس شخص سے دو راوی روایت کر دیں تو اس کی جہالت ختم ہو جاتی ہے اور وہ مجہول نہیں رہتا کیونکہ مجہول عند المحدثین اس کو کہتے ہیں جس سے صرف ایک راوی روایت کرے اور اس کی توثیق بھی نہ کی گئی ہو چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: من یروعنہ غیر واحد ولم یوثق والیہ الاشارۃ بلفظ مجہول۔ (مقدمہ تقریب التہذیب ص 3)

جس شخص سے سوائے ایک راوی کے دوسرا کوئی راوی روایت نہ کرے اور کسی نے اس کی توثیق بھی نہ کی ہو تو اس کی طرف لفظ مجہول سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ مولانا شمس الحق عظیم آبادی غیر مقلد علامہ ابن حزم کے دار قطنی کے ایک راوی کو مجہول کہنے پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وھو جرح مردود فقد روی عنہ ثلاثہ۔ (التعلیق المغنی 9/3)

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں: محمد بن یحییٰ الصفار سے دو ثقہ روایت کر رہے ہیں۔

نمبر 1: محمد بن سلیمان بن فارس۔ نمبر 2: محمد بن عبد السلام۔ لہذا وہ مجہول نہیں ہے۔ (الکواکب الدریہ ص 45)

مولانا ابو محمد عبد الستار الحماد غیر مقلد لکھتے ہیں: اور محدثین کا اصول ہے کہ جس آدمی سے کم از کم دو راوی روایت کرنے والے ہوں اس کی جہالت ختم ہو جاتی ہے۔ (ہفت روزہ الاعتصام 16 ستمبر 1994 ص 19)

نیز لکھتے ہیں: علمائے جرح و تعدیل نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی ایسا راوی ہے جسے کسی نے بھی ثقہ نہ کہا ہو اور نہ کسی سے اس کے متعلق جرح ہی منقول ہو، اگر اس سے روایت لینے والے کئی ایک ثقہ راوی ہوں اور اس سے کوئی منکر حدیث بیان نہ کریں تو اس کی مرویات کو قبولیت کی سند حاصل ہو گی۔ (ایضا)

حماد صاحب مزید لکھتے ہیں: بلکہ حافظ مناوی مجہول العدالۃ کی روایت کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ اخبار و احادیث کی بنیاد راوی کے ساتھ حسن ظن پر ہے اور کسی شخص سے اگر کئی ایک ثقہ راوی روایات نقل کرتے ہوں تو اس سے حسن ظن کو تقویت پہنچتی ہے ہیثم بن عمران کی مذکورہ روایت کو ہمارے شیخ (البانی غیر مقلد) نے اور ہم نے انہی دلائل کی وجہ سے اسنادہ حسن کہا ہے۔ (ایضا)

قارئین: غیر مقلدین کے ان اقتباسات کو سامنے رکھتے ہوئے اندازہ لگائیں کہ جس راوی کی کسی محدث نے ادنی توثیق بھی نہ کی ہو، صرف اس سے نقل کرنے والے دو راوی ہوں تو اس کی روایت تو غیر مقلدین کے ہاں حسن ہے اور اس کو سند قبولیت حاصل ہے لیکن جس راوی (ابو عثمان بصری) کی روایت کو محدثین نے صحیح کہہ کر اس کی توثیق بیان کی ہے اور اس سے کم از کم دو راوی روایت کرنے والے بھی ہیں تو پھر بھی وہ راوی غیر مقلدین کی نظروں میں مجہول ہے۔ والی اللہ المشتکیٰ۔

غیر کی آنکھ کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر
دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

باقی رہا مولانا مبارکپوری صاحب کا یہ کہنا کہ ابو عثمان کا تذکرہ ہمیں کسی کتاب میں نہیں ملا تو جواباً عرض ہے کہ مبارکپوری صاحب کے عدم علم سے ابو عثمان کا مجہول ہونا لازم نہیں آتا کیوں کہ خود مبارکپوری صاحب کے ہی ہم مسلک محدث حافظ گوندلوی ایک راوی کے متعلق فرماتے ہیں: مگر عدم علم سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مجہول ہو۔ (خیر الکلام ص 248)

الغرض غیر مقلدین کے اعتراض کی دونوں شقیں باطل ہیں اور اس روایت کے پہلے دونوں راوی قطعاً مجہول نہیں ہیں۔ اسی طرح روایت کے باقی

راوی بھی سب ثقہ ہیں۔ چنانچہ تیسرے راوی ابو احمد بن عبدالوہاب فراء ہیں، امام نسائی فرماتے ہیں یہ ثقہ ہیں، امام مسلم بن حجاج فرماتے ہیں یہ ثقہ اور صدوق ہیں، امام ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب 319/9)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقہ عارف۔ (تقریب 108/2)

چوتھے راوی خالد بن مخلد القطوانی الکوفی ہیں، امام یحییٰ بن معین ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔ مابہ باس۔ امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں: ھو من المکثرین وھو عندی انشاءاللہ لا باس بہ۔ یعنی یہ کثیر الحدیث ہیں اور میرے نزدیک انشاءاللہ ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام ابن حبانؒ اور امام ابن شاہینؒ نے ان کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ امام عجلی فرماتے ہیں اور ان میں تھوڑا سا تشیع ہے۔

عثمان بن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ اور صدوق ہیں۔ نیز یہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کے راوی ہیں۔ (دیکھئے تہذیب التہذیب 116/3)

پانچویں راوی محمد بن جعفر بن ابی کثیر الانصاری ہیں امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں، امام ابن المدینی فرماتے ہیں: یہ معروف محدث ہیں ،امام نسائی فرماتے ہیں کہ یہ صالح اور مستقیم الحدیث ہیں، امام عجلیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں اور امام ابن حبانؒ نے بھی ان کو ثقات میں شمار کیا ہے اور یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ (دیکھئے تہذیب 94/9)

چھٹے اور ساتویں یزید بن حصیفہ اور سائب بن یزید رضی اللہ کا تذکرہ روایت نمبر 7 میں آئے گا۔ الغرض یہ روایت بالکل صحیح ہے۔

روایت نمبر 6:

عبدالرزاق عن السلمی عن الحارث بن عبدالرحمان ابن ابی ذباب عن السائب بن یزید قال کنا ننصرف من القیام علیٰ عھد عمر رضی اللہ عنہ وقد دنا فروغ الفجر وکان القیام علیٰ عھد عمر رضی اللہ عنہ ثلاثۃ وعشرین رکعۃ۔ (مصنف عبدالرزاق 261/4)

ترجمہ:

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قیام (تراویح) سے اس وقت فارغ ہو کر لوٹتے تھے جب طلوع فجر قریب ہوتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں قیام (تراویح) کی تعداد تئیس رکعات تھی۔

علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں: ھذا محمول علیٰ ان الثلاث للوتر۔ (عمدۃ القاری 246/8) یہ تئیس رکعات اس پر محمول ہے کہ ان میں تین رکعتیں وتر کی تھیں۔

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔ اب اس روایت کے ہر ہر راوی کے حالات ملاحظہ ہوں۔

1۔ امام عبدالرزاق الحمیریؒ مشہور مصنف اور بالاتفاق ثقہ امام ہیں، امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ آپ نے حدیث میں عبدالرزاق سے بہتر کسی کو دیکھا ہے تو انہوں نے فرمایا کسی کو نہیں، امام ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ عبدالرزاق ان محدثین میں سے ہیں جن کی حدیث درست ہوتی ہے، امام ابو حاتم فرماتے ہیں ان کی حدیث لکھی جاتی ہے اور اس سے احتجاج کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ابوداؤد، فریابی، امام ذہلی، امام یعقوب بن شیبہ اور امام ابن حبان وغیرہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔ (تہذیب الکمال 11/ 450تا452 تہذیب التہذیب 280/6تا281)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ عبدالرزاق حفاظ اور اثبات میں سے اور صاحب تصانیف بزرگ ہیں اور تمام ائمہ نے آپ کی توثیق کی ہے سوائے عباس بن عظیم عنبری کے، کہ انہوں نے ان کے بارے میں ایسی بات کہی جس میں انہوں نے حد سے تجاوز کیا ہے اور ائمہ رجال میں سے

کسی امام نے اس میں ان کی موافقت نہیں کی۔(ھدی الساری مقدمہ فتح الباری ص 589)

امام عبدالرزاق آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے اور ان کے حافظہ میں تغیر آگیا تھا لہذا جن لوگوں ان سے آخر عمر میں سماعت کی تھی انہوں نے ان سے کچھ منکر حدیثیں بھی نقل کی ہیں۔ان لوگوں میں سے ایک اسحاق بن ابرہیم دبری بھی ہیں جنہوں نے ان سے حالت اختلاط میں سنا تھا اور یہی اسحاق دبری مصنف عبدالرزاق کے بنیادی راوی ہیں۔اب بعض غیر مقلدین مصنف کی جملہ روایات کو یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ چونکہ مصنف کا بنیادی راوی اسحاق دبری کا امام عبدالرزاق سے سماع بعد الاختلاط کا ہے لہذا اس کی جملہ روایات منکر ہیں لیکن غیر مقلدین حضرات کا یہ اشکال غلط ہے کیوں کہ امام عبدالرزاق نے اپنی یہ کتاب نابینا ہونے سے پہلے حالت صحت میں لکھی تھی اور اصول حدیث کی وجہ سے محدث جب زمانہ اختلاط میں جو روایات زبانی کرے وہ تو منکر شمار کی جاتی ہیں لیکن اس دوران جو روایات وہ اپنی کتاب سے بیان کرے جس کو اس نے حالت صحت میں تصنیف کیا تھا ان روایات پر اس کے اختلاط کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔یہ بات خود اکابرین غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے۔چنانچہ حافظ عبدالمنان نورپوری غیر مقلد لکھتے ہیں: مختلط سے اختلاط کے بعد آدمی سماع کے درمیان اور اختلاط کے بعد اس سے اس کی وہ تصنیف کردہ کتاب روایت کرنے کے درمیان جو اس نے اختلاط سے پہلے تصنیف کی فرق ہے۔(تعداد تراویح ص 119)

لہذا امام عبدالرزاق سے دبری نے جو روایات زبانی سنی تھیں ان میں تو کلام کرنے کی گنجائش ہے لیکن اس نے جو روایات ان سے ان کی تصنیف کردہ کتاب سے سنی تھیں ان کی صحت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہو سکتا۔چنانچہ حافظ ابن الصلاحؒ اور حافظ ابن حجرؒ اسحاق دبری کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

وانما الکلام فی الاحادیث التی عندہ فی غیر التصانیف، فھی التی فیھا المناکیر وذالک لاجل سماعہ منہ فی حالۃ الاختلاط۔(لسان المیزان 461/1 مقدمہ ابن الصلاح)

اسحاق دبری کی عبدالرزاق سے ان روایات میں کلام ہے جو اس کے پاس تصانیف کے علاوہ ہیں کیونکہ ان میں منکر روایات بھی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دبری نے عبدالرزاق سے حالت اختلاط مین سماعت کی تھی۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: من سمع منہ بعد ما عمی فلیس بشئ وماکان فی کتبہ فھو صحیح وماکان لیس فی کتبہ فانہ کان یلقن فیلتقن۔(ھدی الساری ص 589)

جس نے امام عبدالرزاق سے نابینا ہونے کے بعد سماعت کی ہے وہ کوئی شئ نہیں ہے اور جو اس کی کتابوں میں ہے وہ صحیح ہے اور جو اس کی کتابوں میں نہیں تو اس میں تلقین کی جاتی تھی تو وہ تلقین قبول کر لیتا تھا۔

مصنف عبدالرزاق سے متعلق مزید تفصیل انشاءاللہ آگے آئے گی۔

2۔ محمد بن فلیح السلمی: یہ امام عبدالرزاق کے استاد اور صحیح بخاری کے راوی ہیں۔امام دار قطنی ان کو ثقہ کہتے ہیں،امام بخاری فرماتے ہیں کہ بعض ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے اور یہ اپنے باپ (فلیح) سے زیادہ ثقہ ہیں،امام ابن حبان نے ان کو ثقات مین شمار کیا ہے،امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں،مابہ باس (ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے) نیز فرماتے ہیں، لیس بذاک القوی۔مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں، لیس بذاک القوی، جس کے مفہوم میں صرف درجہ کاملہ کی نفی مراد ہے۔لہذا یہ جرح لیس بہ باس کے معارض نہیں۔(توضیح الکلام 473/1)

امام نسائی فرماتے ہیں کہ محمد بن فلیح ثقہ ہیں اور میں نے ان سے حدیث لکھی ہے۔(دیکھئے تہذیب الکمال 159/17 تہذیب التہذیب 360/9 میزان الاعتدال)

3۔حارث بن عبدالرحمان بن ابی ذبابؒ:

امام ابوزرعہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: لیس بہ باس،امام مقبری فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں،امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ یہ مشہور (محدث) ہیں،امام ابن حبانؒ اورامام ابن قانعؒ نے ان کو ثقہ راویوں میں شمار کیاہے۔نیزامام ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ متقنین میں سے ہیں،امام مسلم نے ان سے اپنی صحیح میں،امام بخاری نے خلق افعال العباد میں اور دیگر ائمہ نے اپنی اپنی کتب حدیث میں ان سے روایات نقل کی ہیں۔(دیکھئے تہذیب الکمال 45/4 تہذیب التہذیب 168/2 میزان الاعتدال 438/1)

4۔حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں۔

الغرض یہ روایت بالکل صحیح ہے اوراس کا ہر ہر راوی بالکل ثقہ ہے

بیس رکعات تراویح عہد فاروقی وعہد عثمانی میں

اب تک ہم نے عہد فاروقی کے دور میں بیس رکعات تراویح کے ثبوت پر دلائل پیش کئے اب ہم بیس رکعات تراویح عہد فاروقی وعہد عثمانی پر دلائل پیش کرتے ہیں

روایت نمبر 7:

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں: وقداخبرناابو عبداللہ الحسین ابن محمد بن الحسین ابن فنجویہ الدینوری بالدامغان ثنااحمد بن محمد بن اسحاق السنی ثناعبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز البغوی ثناعلی بن الجعدانباناابن ابی ذئب عب یزید بن خصیفہ عن السائب بن یزید رضی اللہ عنہ قال کانوایقومون علی عھد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی شھر رمضان بعشرین رکعۃ قال وکانوایقرؤن بالمئین وکانوایتوکؤن علی عصیھم فی عھد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ من شدۃ القیام۔(السنن الکبریٰ للبیہقی 496/2)

ترجمہ:

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیس رکعات (تراویح) کے ساتھ قیام کرتے تھے اور (قراء حضرات) سو سو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لوگ شدت قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے۔

چونکہ اس روایت کا آخری جملہ لوگ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں شدت قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے بیس رکعات کے ضمن میں مروی ہے تو اس سے ظاہر یہی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کی طرح بیس رکعات تراویح ہی پڑھی جاتی تھیں کیونکہ جب راوی حضرت سائبؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی بیس رکعات کے پڑھے جانے کا ذکر کیا تو اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بیس کے علاوہ کسی اور عدد پر عمل ہوتا تو راوی ضرور اس کو بھی ذکر فرماتے۔پس راوی کا اس موقعہ پر سکوت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی عہد فاروقی کی طرح بیس رکعات تراویح ہی پڑھی جاتی تھیں۔کیونکہ سکوت فی محل البیان بیان ہی ہوتا ہے۔

نیز حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی بیس رکعات تراویح پر عمل درآمد ہونا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ عہد عثمانی میں بھی بیس رکعات تراویح پر ہی عمل رہا۔

اس مذکورہ روایت کو متعدد محدثین مثلاً۔امام نوویؒ،امام سیوطیؒ،امام ابن العراقیؒ،اور علامہ نیمویؒ وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے۔(دیکھئے آثار السنن مع التعلیق الحسن ص

(251

مولوی ایوب صابر صاحب غیر مقلد اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ : اس حدیث کی سند بلا غبار صحیح ہے۔(تحقیق تراویح ص 51)

اب اس روایت کے ہر ہر راوی کا تذکرہ اور توثیق کتب اسماء الرجال سے ملاحظہ ہو۔

1۔ صاحب سنن امام احمد بن حسین البیہقی

صاحب سنن امام احمد بن حسین البیہقیؒ مشہور محدث اور جلیل القدر امام ہیں علامہ ذہبیؒ ان کے متعلق لکھتے ہیں: الامام، الحافظ، العلامہ، شیخ الخراسان۔(تذکرۃ الحفاظ

(309/3

2۔ ابو عبداللہ حسین ابن فنجویہ الدینوری:

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ حسن بن محمود کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: وشیخہ ھوالحسن بن عبداللہ بن فنجویہ، حافظ کبیر مصنف نیز فرماتے ہیں کہ یہ معروف راوی ہیں۔(دیکھئے

لسان المیزان 2/295-296 طبع بیروت)

اسی طرح حافظ موصوف محمد بن علی المعتصم الھاشمی کے ترجمہ میں بھی ابن فنجویہ کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔(ایضا 5/301)

امام ذہبیؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں، الامام المحدث، بقیۃ المشائخ امام شیرویہ اپنی تاریخ میں ابن فنجویہ کے بارے میں لکھتے ہیں: کان ثقہ صدوقا، کثیر التصانیف۔(

سیر اعلاء النبلاء 17/383-384)

علامہ ابن العماد فرماتے ہیں: ابن فنجویہ ثقہ مصنفا۔(شذرات الذھب 3/200 (

علامہ نیموی لکھتے ہیں۔ فھو من کبار المحدثین لایسئل عن مثلہ۔(التعلیق الحسن ص 251)

اس سے مولانا عبدالرحمان مبارکپوری صاحب غیر مقلد کا یہ مطالبہ پورا ہو گیا کہ۔ فمن یدعی صحۃ ھذا الاثر ان یثبت کونہ ثقہ قابلا للاحتجاج۔(تحفۃ الاحوذی 2/75)

یعنی جو شخص اس اثر کی صحت کا مدعی ہو اس پر لازم ہے کہ وہ ابن فنجویہ کا ثقہ اور قابل احتجاج ہونا ثابت کرے۔

3۔ احمد بن محمد بن اسحاق السنی:

یہ مشہور کتاب عمل الیوم واللیلہ کے مصنف اور سنن نسائی کے راوی و مرتب ہیں۔ حافظ ذہبیؒ طبقات الحفاظ میں ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔ کان دینا خیرا صدوقا

اختر السنن وسماہ المجتبی۔(التعلیق الحسن للنیموی ص 251)

نیز حافظ ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظ میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں: الحافظ، الامام، الثقہ۔(تذکرہ 3/939)

حافظ تاج الدین سبکیؒ فرماتے ہیں: کان رجلا صالحا فقیھا۔(طبقات الکبریٰ 3/39)

4۔ عبداللہ بن محمد البغویؒ:

علامہ خطیب بغدادی ان کے بارے میں لکھتے ہیں: کان ثقہ، ثبتا، مکثرا، فھما، عارفا،

امام دار قطنیؒ فرماتے ہیں: ثقہ، جبل، امام من ائمۃ الحدیث۔(التعلیق الحسن للنیموی ص 251)

امام ذہبیؒ ان کو الحافظ، الامام الحجۃ کے القاب سے یاد فرماتے ہیں۔(سیر اعلاء النبلاء 14/440)

5۔ علی بن الجعد:

یہ امام بخاریؒ کے استاد ہیں، اور امام بخاریؒ نے تیرہ حدیثیں ان سے اپنی صحیح میں روایت فرمائی ہیں، نیز یہ نہایت ثقہ راوی ہیں۔ چنانچہ امام صالحؒ ان کو ثقہ بتلاتے ہیں،

امام نسائیؒ ان کو صدوق کہتے ہیں، امام ابوزرعہؒ فرماتے ہیں: کان صدوقا فی الحدیث۔ امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں: کان متقنا صدوقا۔ نیز فرماتے ہیں کہ محدثین میں سے میں

نے کسی کو نہیں دیکھا جو علی بن الجعد کی طرح احادیث یاد رکھنے والا ہو۔ امام ابن قانع فرماتے ہیں: ثقہ ثبت۔ امام محمد بن صالح اور امام معین بھی ان کو ثقہ کہتے ہیں،

امام فن رجال حضرت یحییٰ بن معین ان کو ثقہ صدوق، ثقہ صدوق دو دفعہ کہہ کر ان کی ڈبل توثیق کرتے ہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ علی بن الجعد ربانی العلم ہیں۔(

دیکھئے تھذیب الکمال 216/13۔217 تھذیب التھذیب 258/7)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقہ، ثبت رمی بالتشیع۔(تقریب التھذیب 689/1)

6۔ محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب:

یہ ثقہ، صدوق اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یہ سعید بن المسیبؒ کے مشابہ تھے۔امام یحییٰ بن معین، امام یعقوب بن شیبہؒ، امام نسائیؒ، امام احمدؒ ،امام ابن سعدؒ، امام ابن حبانؒ، امام خلیلیؒ، امام مالکؒ وغیرہ تمام ائمہ رجال نے ان کی زبردست توثیق کی ہے۔(تھذیب 303/9۔304)

امام بخاریؒ اور حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: کہ یہ بڑے ائمہ ثقات میں سے ایک امام ہیں اور ان کی عدالت وثقاہت عندالمحدثین متفق علیہ ہے۔(تاریخ الکبیر 152/1 میزان الاعتدال 32/3)

حافظ ابن حجر ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقہ فقیہ فاضل۔(تقریب التھذیب 105/2)

7۔ یزید بن عبداللہ بن خصیفہ:

امام احمد بن حنبلؒ، امام ابوحاتمؒ اور امام نسائیؒ وغیرہ ان کو ثقہ کہتے ہیں، امام ابن حبانؒ نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معینؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔ثقہ حجۃ۔امام ابن سعدؒ فرماتے ہیں۔کان عابدا، ناسکا، کثیر الحدیث، ثبتا۔حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں۔وکان ثقۃ مامونا۔(تھذیب الکمال 335/20۔336 تھذیب التھذیب 298/11)

علامہ ابن عبدالبرؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: وھو یزید بن خصیفۃ بن یزید بن عبداللہ الکندی بن اخی السائب بن یزید الکندی وکان ثقۃ مامونا محدثا محسنا۔(التمہید شرح مؤطا 431/6)

8۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ:

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ ہیں اور آپ کے والد حضرت یزید رضی اللہ عنہ بھی اصحاب رسول ﷺ میں سے ہیں۔ حضرت سائب اپنے والد کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک تھے اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں انہیں ایک بازار کا نگران مقرر کیا تھا۔(تقریب التھذیب 338/1)

مولانا ابرہیم سیالکوٹی صاحب غیر مقلد ان کے بارے میں لکھتے ہیں: انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ یقینا پایا ہے۔کیونکہ یہ صحابی رسول ﷺ ہیں اور مدینہ منورہ میں سب صحابہ کے بعد فوت ہوئے۔(انارۃ المصابیح ص 28)

لہذا یہ روایت بالکل صحیح ہے اور متصل السند ہے اس روایت کا ہر ہر راوی نہایت ثقہ اور عادل ہے۔

اعتراض نمبر 1:

حافظ زبیر علی زئی پیر دادی غیر مقلد اس روایت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس روایت کا ایک راوی علی بن الجعد تشیع کے ساتھ مجروح ہے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص کرتا تھا ایسے مختلف فیہ راوی کی روایت مؤطا امام مالک کی صحیح روایت کے خلاف کیوں کر پیش کی جاسکتی ہے؟؟

(تعداد رکعات، قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ ص 28)

الجواب:

یہ اعتراض کئی وجوہ سے باطل ہے:

اولا:

علی بن الجعد بخاری شریف کے راوی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے باوجود محتاط ہونے کے ان سے تیرہ حدیثیں اپنی کتاب صحیح بخاری میں روایت کی ہیں۔ (تھذیب التھذیب 285/7)

اسی طرح حافظ نے تقریب التھذیب 689/1 میں اور امام سیوطیؒ نے تدریب الراوی 279/1 میں علی بن الجعد کو بخاری شریف کے رایوں میں شمار کیا ہے۔ اب معترض موصوف کو چاہیئے کہ وہ مذکورہ روایت پر اعتراض کرنے سے پہلے یہی اعتراض امام بخاری پر کرے کہ انہوں نے ایسے راوی کی روایات اپنی صحیح میں کیوں داخل کی ہیں۔ دیدہ باید لیکن

ع مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے

ثانیا:

علی بن الجعد نہایت ثقہ وعادل راوی ہیں، تمام کبار محدثین نے ان کی توثیق کی ہے اور امام بخاریؒ نے بھی اپنی صحیح میں ان سے احادیث روایت کی ہیں۔

مولانا نزیر احمد رحمانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: جمہور ائمہ مسلمین نے ان دونوں کتابوں (بخاری و مسلم) کا صحیح ہونا تسلیم کیا ہے، جس کے معنٰی یہ ہیں کہ ان کے راویوں کی عدالت پر جمہور امت کا اتفاق ہے۔ (انوار المصابیح ص 219)

خود معترض زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں: اصحاب صحیح کا کسی راوی سے صحیح میں اخراج اس راوی کی ان کے نزدیک توثیق ہوتی ہے۔ (تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ ص 71)

پس جب علی بن الجعد ثقہ راوی ہیں اور ان کی توثیق غیر مقلدین اور خود معترض کے نزدیک بھی ثابت ہے تو پھر ان شیعی ہونا صحت حدیث کے منافی نہیں۔ کیونکہ خود معترض زبیر صاحب نے لکھا ہے کہ: جس راوی کا ثقہ وصدوق ہونا ثابت ہو جائے اس کا قدری، خارجی، رافضی، شیعی، معتزلی، جہمی، مرجی وغیرہ ہونا صحت حدیث کے خلاف نہیں ہے بشرطیکہ وہ داعی بدعت کی طرف نہ ہو۔ (نور العینین ص 25)

اور علی بن الجعد کا داعی بدعت کی طرف ہونا ہر گز ثابت نہیں۔ لہذا اس روایت کا صحیح ہونا اور اس پر اعتراض کا باطل ہونا خود معترض کے نزدیک بھی ثابت ہو گیا۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

ثالثا:

حافظ ابن حجرؒ نے علی بن الجعد کے بارے میں رمی بالتشیع (تقریب 689/1) فرمایا ہے یعنی اس پر شیعہ ہونے کا الزام لگایا گیا ہے جب کہ اس کے بالمقابل یعقوب قمی (جو گیارہ رکعات کے راوی ہیں) کو حافظ ابن کثیرؒ نے بالجزم شیعہ قرار دیا ہے۔ (دیکھئے البدایۃ والنھایۃ 375/3)

اب جس راوی پر صرف تشیع کا الزام ہے اس کی روایت تو غیر مقلدین کے نزدیک ضعیف ہے لیکن جو بالیقین شیعہ راوی ہے اس کی روایت غیر مقلدین کے ہاں قابل قبول ہے۔

ع ناطقہ سر بگریباں اسے کیا کہیے

رابعا:

علی بن الجعد اگر شیعہ ہے بھی تو وہ متقدمین شیعہ میں سے ہے اور علمائے متقدمین کی اصطلاح میں شیعہ اس کو کہتے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے اور اس کو تفضیلی شیعہ بھی کہتے ہیں۔ ان متقدمین شیعوں میں موجودہ شیعوں کی طرح کفریہ عقائد (تکفیر صحابہ رضی اللہ عنہم، انکار قرآن اور عقیدہ رجعت وغیرہ) نہیں پائے جاتے تھے بلکہ جو شخص ان کفریہ عقائد کا معتقد ہوتا تھا اس کو علمائے قدیم رافضی یا غالی شیعہ سے پکارتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

والتشیع محبۃ علی رضی اللہ عنہ وتقدیمہ علی الصحابۃ رضی اللہ عنہم فمن قدمہ علیٰ ابی بکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ فھو غال فی التشیع ویطلق علیہ رافضی والا فشیعی فان

انضاف الی ذالک السب اوالتصریح بالبغض فغال فی الرفض وان اعتقد الرجعۃ الی الدنیا فاشد فی الغلو۔(ھدی الساری 459)

یعنی اصطلاح قدیم میں شیعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت اوران کو دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل سمجھنے کا نام ہے۔جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر مقدم سمجھتا ہے تو وہ غالی شیعہ ہے اسی کو رافضی کہا جاتا ہے ورنہ اس کو شیعی کہتے ہیں۔پھر اگر اس کے ساتھ سب و شتم یا بغض و نفرت کا اظہار بھی ہو تو وہ رافضیت میں غلو کرنے والا ہے اور اگر وہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے دوبارہ دنیا میں آنے کا عقیدہ رکھتا ہو تو وہ غلو میں بھی آگے ہے۔

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

متقدمین عرف میں شیعہ اس کو کہتے ہیں جو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دے۔(رسالہ مولانا سرفراز خان صفدر اپنی تصانیف کے آئینے میں ص 66)چونکہ موجودہ شیعوں میں بھی رافضیوں کی طرح کفریہ عقائد پائے جاتے ہیں اس لئے اب شیعہ اور رافضی کا مصداق ایک ہی ہے لیکن اصطلاح قدیم میں ان دونوں میں فرق تھا۔پس جو راوی صرف تشیع کیساتھ مجروح ہو اور اس میں رافضیوں کے کفریہ عقائد نہ پائے جاتے ہوں تو ایسے راوی کی روایت قابل قبول ہوتی ہے کیونکہ ایسے تفضیلی راویوں کی روایتیں تو صحیحین میں بھی موجود ہیں۔چنانچہ صرف امام سیوطیؒ نے تقریبا پچیس راوی ایسے شمار کئے ہیں جو صرف تشیع کے ساتھ مجروح ہیں۔(دیکھئے تدریب الراوی 279/1)اور امام حاکم تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم تو ایسے راویوں سے بھری ہوئی ہے۔(حوالہ سابق)البتہ باقرار غیر مقلدین صحیحین میں غالی اور تبرائی شیعوں کی روایت لینے سے اجتناب کیا گیا ہے۔چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الحدیث اور ہفت روزہ الاعتصام کے مفتی ثناءاللہ مدنی صاحب لکھتے ہیں: صحیح بخاری میں کسی غالی مذہبی (شیعہ وغیرہ۔ناقل) کی روایت نہیں لی گئی۔(الاعتصام ص 13 28 مئی 1999ء)اور چونکہ علی بن الجعد بھی بخاری شریف کے راوی ہیں، لہذا ان پر یہ الزام لگانا کہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیض کرتے تھے بالکل غلط ہے جو لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث کہلواتے ہیں ان کو بخاری شریف کے راویوں پر ایسے اعتراض کرتے ہوئے شرم آنی چاہیئے۔

ع شرم تم کو مگر نہیں آتی

باقی رہا یہ سوال کہ ایسے راوی کی روایت مؤطا کی روایت کے خلاف کیوں کر پیش کی جاسکتی ہے؟؟

تو اس کا جواب بزرگ غیر مقلد عالم مولانا میاں غلام رسول صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔میاں صاحب اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: جب امام ابن عبدالبرؒ اور شاہ ولی اللہ دہلوی اور شیخ عبدالحق اور صاحب کبیری نے بیہقی کی سند کو صحیح قرار دیا ہے اور اسی حدیث کو جمہور اپنی دلیل گردانتے ہیں اور اسناد صحیح کے لفظ سے اس کی صحت کو صراحت سے بیان کرتے ہیں تو یہ حدیث صحت اور قوت میں مؤطا کی حدیث سے زیادہ بڑھی ہوئی ہے کیونکہ اس میں زیادۃ ہے (جو اصول کے لحاظ سے واجب القبول ہے۔)(رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع ص 42)

اس سے بہتر اور تسلی بخش جواب غیر مقلدین کیلئے اور کیا ہو سکتا ہے؟؟اور اگر اس سے بھی زیادہ تسلی بخش جواب چاہیئے تو پھر مؤطا کی روایت کے جواب میں دیکھے جہاں ہم نے اس پر تفصیل کیساتھ بحث کی ہے۔

اعتراض ثانی:

بعض غیر مقلدین نے لکھا ہے کہ گیارہ رکعات والی روایت بیس رکعات والی پر راجح ہے کیونکہ گیارہ رکعات والی روایت کے راوی محمد بن یوسف کے حق میں حافظ ابن حجر نے تقریب میں ثقہ ثبت دو لفظ استعمال کئے ہیں جبکہ بیس رکعات کے راوی یزید بن خصیفہ کے حق میں حافظ نے صرف ایک لفظ ثقہ استعمال کیا ہے۔لہذا محمد بن یوسف کی روایت یزید کی اس بیس رکعات والی پر راجح ہے۔

الجواب:

ان دونوں روایتوں میں سے کون سی روایت راجح ہے؟؟اس کی تفصیلی بحث تو حصہ دوئم میں آئے گی۔یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اگر غیر مقلدین کے اس بیان کردہ قاعدہ ترجیح کو سامنے رکھا جائے تو پھر بھی یزید کی روایت محمد بن یوسف کی روایت پر راجح ہے کیونکہ یزید کے ترجمہ میں ابھی گزرا کہ امام یحییٰ بن معین جو جرح اور تعدیل کے امام ہیں۔نے یزید کے حق میں ثقہ حجۃ دو لفظ استعمال کیے ہیں جبکہ انہوں نے محمد بن یوسف کے حق میں صرف ایک لفظ ثقہ کہا ہے۔(دیکھئے تہذیب 534/9)

اسی طرح امام محمد بن سعد نے یزید کے حق میں چار لفظ (عابد، ناسک، کثیر الحدیث اور ثبت) استعمال کیے ہیں جبکہ محمد بن یوسف کے حق میں ان سے کچھ بھی منقول نہیں۔اسی طرح علامہ ابن عبدالبرؒ نے بھی ان کے حق میں ثقہ، مامون، محدث اور محسن کے چار توثیقی الفاظ استعمال کیئے ہیں۔نیز اگر حافظ ابن حجر نے تقریب میں محمد بن یوسف کے حق میں دو لفظ استعمال کیئے ہیں تو انہوں نے اپنی دوسری کتاب تہذیب التہذیب میں یزید بن خصیفہ کے حق میں بھی دو لفظ ثقہ اور مامون استعمال فرمائے ہیں۔لہذا غیر مقلدین کے بیان کردہ قاعدہ ترجیح کے موافق بھی یزید کی روایت راجح ہے۔

اسی طرح غیر مقلدین کی اس روایت کو مرجوح قرار دینے کی یہ دلیل بھی باطل ہے کہ گیارہ رکعات کے راوی محمد بن یوسف حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتہ دار ہیں کیونکہ حضرت سائب رضی اللہ عنہ ان کے نانا یا ماموں یا چچا تھے۔لہذا ان کی روایت یزید بن خصیفہ (جو حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار نہیں ہیں) کی روایت پر راجح ہو گی۔(انارۃ المصابیح ص 40)

لیکن یہ بھی غیر مقلدین کا نرا وہم ہے کیونکہ یزید بن خصیفہ بھی حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار یعنی بھانجے تھے۔چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے حجرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں ان سے روایت کرنے والے راویوں کو شمار کرتے ہوئے جب یزید بن خصیفہ کو شمار کیا تو فرمایا۔وابن اختہ یزید بن عبداللہ بن خصیفہ و جماعۃ۔(تہذیب التہذیب 450/3)

یعنی حضرت سائب رضی اللہ عنہ سے ان کے بھانجے یزید بن خصیفہ نے بھی روایت کی ہے۔جب کہ علامہ ابن عبدالبرؒ کی رائے ہے کہ یہ حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے بھائی کے بیٹے یعنی بھتیجے ہیں۔جیسا کہ ان کا حوالہ گزر چکا ہے۔لہذا غیر مقلدین کی یہ وجہ ترجیح بھی باطل ہو گئی اور غیر مقلدین کے اس صحیح روایت پر تمام اعتراضات ھباء منثورا ہو گئے۔

بیس رکعت تراویح احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی امابعد! برادرانِ اسلام! رمضان المبارک ایک بہت بابرکت مہینہ ہے اس مبارک مہینہ میں خدا کا آخری پیغام قرآن پاک نازل ہونا شروع ہوا، اسی مہینے میں شب قدر ہے جو ہزار مہینہ سے افضل ہے، اس مہینہ میں ایک نفل کا ثواب ایک فرض کے برابر کر دیا جاتا ہے اور ایک فرض کا ثواب ۷۰ گنا کر دیا جاتا ہے (صحیح ابن حبان)۔اس مہینہ میں دن کا روزہ فرض اور رات کی تراویح سنت ہے چنانچہ سنن نسائی ج ۱ ص ۳۰۸ پر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان اللہ تبارک وتعالٰی فرض صیام رمضان علیکم وسنت لکم قیامہ فمن صامہ وقامہ ایماناواحتسابا خرج من ذنوبہ کیوم ولدتہ امہ یعنی اللہ تبارک وتعالٰی نے (بوحی جلی) تم پر رمضان کے روزے فرض کیے ہیں اور میں (بوحی خفی) تمہارے لیے تراویح کا سنت ہونا مقرر کرتا ہوں، پس جو کوئی ایمان کی رُو سے اور ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اور تراویح پڑھے وہ اپنے گناہوں سے نکل کر ایسا ہو جاوے گا جیسا کہ وہ اُس روز تھا جس روز اُسے اُس کی ماں نے جنا تھا۔اور ابوہریرہ کی روایت میں ہے کہ اُس کے اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۹)۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس مبارک مہینہ میں عام مہینوں سے زیادہ کوشش فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتہد فی رمضان ولا یجتھد فی غیرہ (مسلم) یعنی رسول پاک ﷺ رمضان المبارک میں غیر رمضان سے بہت زیادہ محنت فرماتے تھے اور حضرت عائشہ کی ایک دوسری روایت ہے کان اذا دخل شھر رمضان شد مئزرہ ثم لم یأت فراشہ حتی ینسلخ (بیہقی اعلا السنن ج ۷ ص ٤٦) یعنی جب رمضان آتا تو آپ اپنے بچھونے کی طرف نہیں آتے تھے یہاں تک کہ گزر جاتا اور حضرت عائشہ کی ایک تیسری روایت میں ہے کہ رمضان کے عشرہ آخیرہ میں خصوصاً احیٰی لیلہ وایقظ اھلہ (بخاری) خود بھی تمام رات بیدار رہتے اور اپنے گھر والوں کو بھی بیدار رکھتے۔ ان تینوں حدیثوں کی تشریح خود حضرت عائشہ سے ان الفاظ میں آئی ہے اذا دخل رمضان تغیر لونہ و کثرت صلاتہ یعنی جب رمضان کا مبارک مہینہ آتا تو رسول پاک ﷺ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا اور نماز زیادہ پڑھتے تھے۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ رسول پاک ﷺ کی عادتِ مبارک یہی تھی کہ زیادہ سے زیادہ نماز پڑھی جائے، زیادہ سے زیادہ شب بیداری ہو اور خوب محنت اور کوشش کر کے اس مبارک مہینہ کے فضائل و برکات سے استفادہ کیا جائے لیکن جہاں اس مبارک مہینہ کی آمد ہر سال مسلمانوں پر خیر و برکت اور لطف و رحمت کے ہزاروں دروازے کھول دیتی ہے وہاں اس خراب آباد پنجاب کے اندر مذہبی رنگ میں ایک شر بھی ظہور کرتا ہے اور وہ فرقہ غیر مقلدین کا یہ پروپیگنڈا ہے کہ بیس رکعت تراویح کی کوئی اصل نہیں ہر سال اہل سنت و جماعت کے سروں پر اس مکروہ نشریہ کے طوفان اُٹھتے ہیں اور بہت سے ناواقف حنفی یہ سمجھتے ہوئے اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے ہیں کہ شاید اہل سنت کے پاس بیس رکعات کا کوئی ثبوت نہ ہو گا چنانچہ اوکاڑہ میں بھی ایک غیر مقلد محدث نے ایک دو ورقہ شائع کیا جس میں محدث صاحب نے یہ دعویٰ کیا کہ صرف آٹھ رکعت تراویح سنت ہے بیس رکعت کا کوئی بھی ثبوت نہیں ہے اور حنفیوں کو انعامی چیلنج بھی دیا اور بزعمِ خود اس مسئلہ پر آخری فیصلہ فرما دیا۔ اس قسم کے اشتعال انگیز نشریات سے ہم اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ جماعت امن و سکون کو گناہ عظیم سمجھتی ہے اور مسلمانوں میں اتفاق کی بجائے افتراق پیدا کرنا سلف صالحین خصوصاً حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھولے بھالے مسلمانوں کو بد ظن کر کے اپنی تقلید کا پھندا اُن کے گلے میں ڈالنا اس جماعت کا دل پسند مشغلہ ہے۔

برادران اسلام رسول ﷺ نے فرمایا تھا کہ میرے بعد تم بہت سا اختلاف دیکھو گے ایسے وقت میں تم پر لازم ہے کہ میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھام لو اور فرمایا کہ نجات کا راستہ یہی ہے جو میرا اور میرے صحابہ کا طرزِ عمل ہے۔ رسول پاک ﷺ کا طرز عمل میں عرض کر چکا ہوں کہ رمضان میں غیر رمضان سے بہت زیادہ نماز پڑھتے تھے، ساری ساری رات خود بیدار رہتے اور اپنے گھر والوں کو بیدار رکھتے لیکن جمہور علماء کے نزدیک آپ سے تراویح کا کوئی معین عدد ثابت نہیں ہے البتہ احناف میں سے قاضی خاں اور طحطاوی اور شوافع میں سے رافعی آنحضرت ﷺ سے بیس کا عدد ثابت مانتے ہیں۔ محدث صاحب کا دعویٰ کہ حضور ﷺ سے صرف آٹھ ثابت ہیں یہ تمام اُمت کے خلاف ہے ایک نیا دعویٰ ہے بلکہ محدث صاحب کا یہ دعویٰ اپنے مذہب سے بھی بے خبری کا نتیجہ ہے کیونکہ غیر مقلد بھی اسی بات کے قائل ہیں کہ رسول پاک ﷺ سے تراویح میں کوئی عدد معین ثابت نہیں چنانچہ

۱) حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں ومن ظن ان قیام رمضان فیہ عدد معین موقت عن النبی صلم لا یزید ولا ینقص فقد اخطا۔ (مرقات علی المشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۵، الانتقاد الرجیح ص ٦٣) یعنی جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے تراویح کے باب میں کوئی عدد معین ثابت ہے جو کم و بیش نہیں ہو سکتا وہ غلطی پر ہے۔

۲) غیر مقلدوں کے مشہور پیشوا قاضی شوکانی نے بھی تراویح کے عدد معین کے متعلق لکھا ہے لم یرد بہ السنۃ یعنی سنت نبوی سے ثابت نہیں ہوتا (نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۹۸)

)۳) غیر مقلدوں کے مشہور مصنف میر نورالحسن خاں صاحب اپنی کتاب عرف الجاوی ص ۸۷ پر لکھتے ہیں ”وبالجملہ عددے معین درمرفوع نیامدہ تکثیر نفل وتطوع سودمند است پس منع از بست و زیادہ چیزے نیست“یعنی مرفوع حدیث سے کوئی معین عدد ثابت نہیں ہے زیادہ نفل پڑھنا فائدہ مند ہے پس بیس رکعات سے منع نہ کرنا چاہیے۔

)٤) نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں ولم یات تعین العدد فی الروایات الصحیحۃ المرفوعۃ ولکن یعلم من حدیث کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتھد فی رمضان مالا یجتھد فی غیرہ رواہ مسلم ان عدد ھاکان کثیراً(الانتقاد الرجیح ص ٦١) اور عدد کی تعین صحیح مرفوع روایتوں میں نہیں آئی لیکن صحیح مسلم کی ایک حدیث سے کہ آنحضرت ﷺ رمضان میں جتنی محنت اور کوشش کرتے تھے اتنی غیر رمضان میں نہیں کرتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تراویح کا عدد زیادہ تھا(یعنی گیارہ یا تیرہ نہ تھیں)یہی نواب صاحب ہدایۃ السائل ص ۱۳۸ پر لکھتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح پڑھنے والا بھی سنت پر عامل ہے۔جامعہ محمدیہ اوکاڑہ کے بانی حافظ محمد لکھوی فرماتے ہیں:

بعضے آٹھ رکعاتاں پڑھدے بعضے ویہ(۲۰) رکعاتاں جتنیاں بہت رکعاتاں پڑھن اتنیاں بہت براتاں

اس کے علاوہ امام سبکی، سیوطی وغیرہ نے بھی فرمایا کہ رسول پاک ﷺ سے کوئی عدد معین ثابت نہیں ہے۔ان عبارات سے معلوم ہوا کہ محدث صاحب کا یہ دعویٰ کہ آٹھ رکعت سنت نبوی سے ثابت ہے اُن کے اپنے مذہب سے بھی بے خبری کی دلیل ہے۔

محدث صاحب کے دعویٰ کا پوسٹ مارٹم

محدث صاحب فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعت تراویح کی حدیث جابر سے مروی ہے وہ صحیح ہے اور بیس رکعت تراویح کی حدیث حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے وہ ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی ابوشیبہ ہے وہ ضعیف ہے۔

حدیث حضرت جابر

آنحضرت ﷺ نے رمضان میں ہمارے ساتھ آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھے (طبرانی۔ قیام الیل۔ابن حبان) یہ کونسی نماز تھی تہجد یا تراویح یا لیلۃ القدر کی نماز،اس کا اس حدیث میں کوئی ذکر نہیں ہے آیئے ہم اس حدیث کی سند کا حال بھی آپ کو بتادیں۔اس کی روایت حضرت جابر سے عیسٰی بن جاریہ نے کی ہے اور امام طبرانی فرماتے ہیں لایروٰی عن جابر الا بھذا الاسناد (طبرانی) یعنی حضرت جابر سے صرف یہی ایک سند ہے۔

عیسٰی بن جاریہ کے متعلق امام الجرح والتعدیل ابن معین فرماتے ہیں عندہ مناکیر،امام ابوداود اور نسائی فرماتے ہیں کہ وہ منکر الحدیث ہے اور امام نسائی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اُس کی روایات متروک ہیں۔ساجی اور عقیلی نے بھی اُسے ضعیف کہا ہے۔ابن عدی نے کہا ہے کہ اُس کی حدیثیں محفوظ نہیں ہیں۔ قال ابن حجر فیہ لین (میزان الاعتدال، تہذیب)۔ عیسٰی بن جاریہ سے آگے روایت کرنے والا بھی ایک ہی راوی ہے،یعقوب القمی۔امام ابن معین فرماتے ہیں لا اعلم احداً روی عنہ غیر یعقوب القمی (کتاب الجرح والتعدیل لابی حاتم الرازی ج ۳ ص ۲۷۳)۔اس راوی کے متعلق امام دار قطنی فرماتے ہیں لیس بالقوی یعنی وہ قوی نہیں

ہے۔ یعقوب قمی سے دو راوی روایت کرتے ہیں محمد بن حمید رازی ا ور جعفر بن حمید انصاری، محمد بن حمید رازی کو امام بخاری،امام سخاوی،امام نسائی،یعقوب بن شیبہ،ابوزعہ،جوزجانی،اسحاق کوسج،فضلک رازی،ابو علی نیاپوری،صالح بن محمد اسدی،ابن خراش،ابو نعیم وغیرہ محدثین نے ضعیف کہاہے(دیکھو تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۲۹ اور میزان الاعتدال ج ۹ ص ۵۰)اور چوتھا راوی جعفر بن حمید مجہول الحال ہے۔ ناظرین آپ نے محدث اوکاڑہ کے تعصب کا کرشمہ دیکھ لیا کہ جس حدیث کی سند میں چاروں ضعیف تھے وہ صحیح بن گئی اور بیس رکعت تراویح کی حدیث کو اس لیے ضعیف کہہ کر ٹال دیا کہ اُس میں ایک راوی ابوشیبہ ضعیف ہے۔

حدیث ابن عباس

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک میں وتر کے علاوہ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔(سنن کبریٰ بیھقی ج ۲ ص ۴۹۶ مصنف ابن ابی شیبہ۔ طبرانی،مسند عبد بن حمید)

اس حدیث کی سند ملاحظہ ہو: اخرج ابو بکر بن ابی شیبہ فی مصنفہ حدثنا یزید بن ہارون قال اخبرنا ابراہیم بن عثمان عن الحکم مقسم عن ابن عباس الخ(التعلیق الحسن ج ۲ ص ۵۶)

معزز ناظرین محدث عبدالجبار صاحب کو جابر والی حدیث میں چار راویوں کا مجروح ہونا تو نظر نہ آیا چار راوی مجروح ہوتے ہوئے حدیث کو صحیح کہہ دیا اور اس بیس رکعت والی روایت میں ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کو ضعیف کہہ کر جواب سے سبک دوش ہوگئے حالانکہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابو شیبہ آں قدر ضعف نہ دارد کہ روایت او مطروح ساختہ شود(فتاوٰی عزیزی)اور شاہ صاحب کی بات بالکل حق ہے کیونکہ کسی راوی میں جرح دو باتوں پر کی جاتی ہے باعتبار عدالت کے یا حفظ وضبط کے۔ابوشیبہ کی عدالت کے متعلق حضرت یزید بن ہارون جو امام بخاری کے اُستاذ الاستاذ اور نہایت ثقہ اور حافظ الحدیث تھے، فرماتے ہیں ماقضٰی علی الناس فی زمانہ اعدل فی قضاء منہ(تہذیب ج ۱ ص ۱۴۵)یعنی ہمارے زمانہ میں اُن سے زیادہ عدل و انصاف والا قاضی کوئی نہیں ہوا،اور ابوشیبہ کے متعلق حافظ ابن حجر فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ الحافظ توجب ابوشیبہ عادل بھی ہے حافظ بھی ہے تو یقیناً ثقہ ہوئے، اس لیے علامہ ابن عدی فرماتے ہیں لہ احادیث صالحۃ وھو خیر من ابراہیم بن ابی حیہ(تہذیب ج ۱ ص ۱۴۵)یعنی ابو شیبہ کی حدیثیں صالح ہیں اور وہ ابراہیم ابن ابی حیہ سے بہتر ہے اور ابراہیم بن ابی حیہ کو ابن معین نے شیخ ثقۃ کبیر فرمایا ہے(اللسان ج ۱ ص ۵۳)۔خلاصہ یہ کہ جب ابو شیبہ عادل حافظ ہے اُس کی حدیثیں صالح ہیں بلکہ وہ ابراہیم بن ابی حیہ سے بہتر ہے تو اب حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے فرمان کی صحت میں کیا شک رہ گیا۔ غرض محدث اوکاڑی کو تعصب نے ایسا محروم البصیرت کیا کہ جس کی سند میں چار راوی مجروح تھے اُن کی جرح کو بھول گئے اور ابوشیبہ پر صرف جرح نظر آئی اور اُس کی تعدیل سے آنکھیں بند ہو گئیں اور پھر محدث صاحب اصول کا یہ قاعدہ بھی بھول گئے کہ جس حدیث پر امت نے عمل کر لیا ہو اور اس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو اُس کی سند میں اگر کلام کی گنجائش ہو بھی تب بھی وہ صحیح ہوتی ہے چنانچہ اس کی تفصیل خاتمے کے قریب آتی ہے۔

غرض یہاں تک تو محدث صاحب کے اس دعویٰ پر مختصر عرض کیا ہے کہ رسول پاک ﷺ سے آٹھ رکعت بسند صحیح ثابت ہیں اور بیس ثابت نہیں اور محدث صاحب کی امانت ودیانت بھی آشکارا ہو گئی۔اس کے بعد محدث صاحب نے کہا ہے کہ خلفائے راشدین کی سنت بھی بیس نہیں بلکہ آٹھ ہے۔حالانکہ نواب صاحب لکھتے ہیں کہ بیس رکعت سنتِ عمر بن خطاب ہے اور بیس پڑھنے والا بھی سنت پر عامل ہے۔(ہدایہ السائل ص ۱۳۸)

عہد فاروقی

رسول پاک ﷺ نے صرف تین دن باجماعت تراویح پڑھائیں،اُس کے بعد لوگ گھر میں یا مسجد میں بلاجماعت تراویح پڑھتے رہے۔حضرت فاروق اعظم نے لوگوں کو پھر جماعت تراویح پر جمع فرمایا جن لوگوں کو فاروق اعظم نے جمع فرمایا وہ کتنی رکعتیں ادا کرتے تھے اُس کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:

پہلی روایت: عن السائب بن یزید قال کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطاب بعشرین رکعۃ والوتر (رواہ البیہقی فی المعرفۃ) ترجمہ: حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اس روایت کو امام نووی نے صحیح کہا ہے (شرح المہذب ج ٤ ص ٣٢) امام عراقی اور علامہ سیوطی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے (مصابیح ص ٤٢)۔

محدث صاحب کا کمال: مولوی عبدالجبار صاحب کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا اس لیے عجیب ہتھکنڈہ استعمال کیا چونکہ اس کو بیہقی نے اپنے کتاب المعرفۃ میں ذکر کیا ہے محدث صاحب نے کتاب کا نام بگاڑ کر لکھا کہ کتاب العرفہ ،امام بیہقی کی کوئی کتاب نہیں ”کتاب المعرفۃ“ سے م حذف کر کے ”کتاب العرفہ“ بنالیا اور کتاب کا ہی انکار کر دیا،نہ خدا کا خوف دل میں آیا نہ آخرت کا خیال اور نہ انسانوں سے شرم محدث صاحب قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں کاش اب بھی ایسی حرکتوں سے توبہ کرلیں۔اس روایت سے معلوم ہوا کہ عہد فاروقی میں تمام صحابہ کرام بلااختلاف بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

دوسری روایت: عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عہد عمر بن الخطاب فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ... وفی عہد عثمان۔(سنن بیہقی ج ٢ ص ٤٩٦) یعنی لوگ عہد فاروقی اور عہد عثمانی میں رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔اس کی سند کو علامہ سبکی نے اور بیہقی نے صحیح کہا ہے۔

تیسری روایت: اخرج ابن ابی شیبہ والبیہقی عن عمر انہ جمع الناس علی اُبیّ بن کعب وکان یصلی بھم عشرین رکعۃ حضرت عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے لوگوں کو ابی بن کعب پر جمع کیا اور وہ اُن کو بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔سندہ صحیح۔

چوتھی روایت: اخرج ابن ابی شیبہ حدثنا وکیع عن مالک بن انس عن یحیٰی بن سعید بن العاص الاہوی عن عمر بن الخطاب انہ امر رجلاًان یصلی بھم عشرین رکعۃ۔ حضرت عمر نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے۔اس کی سند اعلی درجہ کی صحیح ہے امام وکیع،امام مالک اور امام یحیٰی تینوں صحاح ستہ کے اجماعی ثقہ شیوخ ہیں۔

پانچویں روایت: اخرج ابن ابی شیبہ حدثنا حمید بن عبدالرحمن عن الحسن البصری عن عبدالعزیز بن رفیع قال کان اُبیّ بن کعب یصلی بالناس بالمدینۃ عشرین رکعۃ قال ابن المدینی ویحیٰی القطان وابوزرعہ مرسلات حسن صحاح (تدریب ص ٦٩) یعنی حضرت ابی بن کعب مدینہ میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔

چھٹی روایت: عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان ثبلاث وعشرین رکعۃ (موطا امام مالک ص ٤٠ سنن بیہقی ج ٢ ص ٤٩٦) حضرت یزید بن رومان فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر کے زمانہ میں ٢٣ رکعت یعنی ٢٠ تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے

تھے۔

ساتویں روایت: عن محمد بن کعب القرظی کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان عشرین رکعۃ (رواہ فی قیام اللیل)۔ حضرت محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر کے زمانہ میں رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔اس کی سندیں بھی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں۔

آٹھویں روایت: عن ابی الحسن ان علیا امر رجلاً یصلی بھم فی رمضان عشرین رکعۃ

)مصنف ابن ابی شیبہ) حضرت علی نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائے۔اس کی سند حسن ہے۔

نویں روایت: عن ابی عبدالرحمن السلمی عن علی قال دعا القُرّاء فی رمضان فامر منھم رجلاً یصلی بالناس عشرین رکعۃ قال وکان یوتر بھم (سنن بیہقی ج ۲ ص ٤٩٦)۔ابو عبدالرحمن سلمی کا بیان ہے کہ حضرت علی نے رمضان المبارک کے مہینے میں قاریوں کو بلایا اور اُن میں سے ایک کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھایا کریں اور وتر خود حضرت علی پڑھایا کرتے تھے۔

حضرت علی کے اصحاب خاص ہمیشہ بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے شتیر بن شکل جو حضرت علی کے اصحاب خاص میں سے تھے (بیہقی ج ۲ ص ٤٩٦) وہ بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے (قیام اللیل ص ۹۱ ابن ابی شیبہ، آثار السنن ج ۲ ص ٦٠)

اسی طرح حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرہ، سعید بن ابی الحسن دونوں حضرت علی کے خاص شاگرد تھے (تہذیب التہذیب ج ٦ ص ۱٤۸ و ج ٤ ص ۱٦) اور یہ دونوں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے (قیام اللیل ص ۹۲)اِسی طرح حارث اعور اور علی بن ربیعہ دونوں حضرت علی کے شاگرد تھے اور لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے (سنن بیہقی ج ۲ ص ٤٩٦ و آثار السنن مع التعلیق ج ۲ ص ۹ ٥) اور ابو البختری حضرت علی کے خاص شاگردوں عبدالرحمن سلمی اور حارث کے خاص صحبت یافتہ تھے اور لوگوں کو بیس تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے (آثار السنن ص ٦٠ فی التعلیق) غرض اس خلیفہ راشد اور آپ کے سب ساتھی بیس رکعت پر عامل تھے۔

محدث صاحب نے اس اثر کے متعلق لکھا ہے کہ ابو الحسن مجہول ہے اور وہ طبقہ سابعہ کا ہے اس کو صحابہ سے لقا نہیں۔ ناظرین ابو الحسن دو ہیں جو ابو الحسن طبقہ سابعہ کا ہے وہ واقعی مجہول ہے لیکن یہ ابو الحسن طبقہ سابعہ کا نہیں ہے جب اس کے شاگرد عمرو بن قیس اور ابو سعد بقال طبقہ خامسہ و سادسہ سے ہیں تو اُستاد کیسے طبقہ سابعہ میں ہوگا۔ محدث صاحب نے بلا سوچے سمجھے صرف اہل سنت کی ضد میں یہ لکھ مارا اور پھر جبکہ حضرت علی کے تمام شاگرد بھی بیس کے قائل ہوں اور دوسری روایت اس کی مؤید ہو تو یہ بات کس قدر پھیکی بن جاتی ہے۔

دسویں روایت: حضرت عبداللہ بن مسعود بھی لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے (قیام اللیل ص ۹۲)۔ حضرت سوید بن غفلت جو حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود دونوں کے خاص صحبت یافتہ شاگرد ہیں وہ لوگوں کو پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے۔(سنن بیہقی)

حضرت عطا کی شہادت: حضرت عطا کبار تابعین میں سے ہیں آپ کو ۲۰۰ صحابہ کرام سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، آپ کی شہادت صحابہ اور تابعین دونوں زمانوں کی شہادت ہے آپ فرماتے ہیں ادرکت الناس وہم یصلون ثلاثاًوعشرین رکعۃ رواہ ابن ابی شیبہ واسنادہ حسن (آثار السنن ج ۲ ص ۵۵) حضرت عطا فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ و تابعین کو بیس رکعت تراویح ہی پڑھتے پایا۔ معلوم ہوا کہ تمام صحابہ و تابعین بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اور کبھی کسی ایک شخص نے بھی ۲۰ تراویح کے خلاف آواز نہیں اُٹھائی۔

علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں وھو قول جمھور العلماء وبہ قال الکوفیون والشافعی واکثر الفقھاء وھوا لصحیح عن اُبیّ بن کعب من غیر خلاف من الصحابۃ (عینی شرح بخاری) ترجمہ یہ قول جمہور علما کا ہے اہل کوفہ (حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت امام ابو حنیفہ اور آپ کے ساتھی) اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے اور حضرت ابی بن کعب سے بھی یہی صحیح اور ثابت ہے اور اس میں صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ اور فن حدیث کے مسلم الثبوت امام ابو عیسٰی ترمذی فرماتے ہیں واکثر اہل العلم علی ماروی عن علی وعمر وغیرہما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعۃ (ترمذی) اکثر اہل علم بیس رکعت تراویح کے قائل ہیں جو کہ حضرت علی اور حضرت عمر اور نبی اکرم ﷺ کے دوسرے صحابہ سے مروی ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں ھکذا ادرکت ببلدنا مکۃ یصلون عشرین رکعۃ (ترمذی)۔ میں نے مکہ معظمہ میں تابعین اور تبع تابعین کو بیس رکعت تراویح پڑھتے پایا۔

میں نے نہایت اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا عمل پیش کر دیا ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم کے حکم سے آپ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح باجماعت باقاعدہ شروع ہوئیں اور کسی ایک متنفس نے بھی اس پر انکار نہ فرمایا بلکہ بغیر کسی اختلاف کے تمام صحابہ بیس رکعات پڑھتے رہے۔ حضرت عثمان کے زمانہ مبارک میں بھی اسی پر عمل رہا، حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب نے بھی بیس کا حکم دیا اور بیس ہی پڑھتے رہے۔ آپ کے تمام شاگرد بھی لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود بھی لوگوں کو بیس رکعت پڑھاتے تھے۔ تابعین اور تبع تابعین بھی بیس پر عامل تھے اور عہد نبوی ﷺ سے لے کر بارھویں صدی ہجری تک کسی ایک معتبر عالم کا نام بھی پیش نہیں جاسکتا کہ اُس نے بیس رکعت تراویح کے خلاف رسالے بازی اور اشتہار بازی کی ہو یا کسی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی نے بیس رکعت پڑھنے والوں کو انعامی چیلنج دیا ہو اور عہد فاروقی سے لے کر بارہ سو سال تک ایک مثال بھی پیش نہیں کی جاسکتی کہ فلاں صدی میں فلاں علاقہ میں لوگوں میں آٹھ رکعت تراویح کا رواج تھا۔ جب سے غیر مقلدوں کا یہ نیا فرقہ پیدا ہوا ہے اُسی وقت سے یہ شور و غوغا سننے میں آیا ہے، اسی فرقے نے ہمیشہ امن و سکون سے بسنے والے مسلمانوں میں سر پھٹول کرائی ہے۔ محدث صاحب نے حضرت عائشہ کی حدیث سے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے آٹھ رکعت تراویح پر استدلال کیا ہے حالانکہ کتنی صاف بات ہے کہ جب اس حدیث میں رمضان کے ساتھ غیر رمضان کا لفظ بھی ہے تو اس حدیث کو تراویح سے کیا تعلق، اگر یہ تراویح کے متعلق ہے تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ رسول پاک ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت تراویح سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ محدث صاحب یہ حدیث تو تہجد کے متعلق ہے کہ رمضان اور غیر رمضان میں برابر ہوتی ہے اور اگر محدث صاحب یہ دعویٰ رکھتے ہیں کہ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے تو محدث صاحب ایک ہی حدیث صحیح پیش فرمائیں کہ تہجد اور تراویح ایک نماز ہے نیز میں حضرت عائشہ سے چار روایات ذکر کر چکا ہوں اور نواب صدیق حسن صاحب کا قول بھی ذکر کر چکا ہوں کہ رسول پاک ﷺ کی رمضان کی نماز غیر رمضان سے زیادہ ہوتی تھی۔ اُن روایات کا آپ کے پاس کیا جواب ہے نیز جناب کی پیش کردہ روایتِ عائشہ اور روایتِ جابر دونوں میں تین وتر کا ذکر ہے، غیر مقلد ان دونوں روایتوں کو چھوڑ کر ایک وتر پڑھتے ہیں تو خود ان حدیثوں پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ نیز محدث صاحب یہ بھی بتائیں کہ حضرت عمر و حضرت عثمان حضرت علی کے زمانہ مبارک میں جب علی الاعلان بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی تھیں اُس زمانہ میں حضرت جابر اور حضرت عائشہ دونوں زندہ تھے اگر ان دونوں بزرگوں سے آٹھ رکعت تراویح کی حدیث مروی ہے تو ان دونوں نے وہ حدیثیں اُن صحابہ کے سامنے کیوں پیش نہ کیں اور کیوں آٹھ رکعت تراویح کی سنت کو مٹنے دیا۔ کیا ان دونوں میں سنت پر عمل کرنے

اور سنت کو پھیلانے کا اتنا جذبہ بھی نہ تھا جتنا کہ محدث عبدالجبار صاحب میں ہے کہ ان کے سامنے ایک سنت مٹ رہی ہو ایک زبردست بدعت شروع ہو چکی ہو لیکن وہ دونوں لوگوں کی کوئی رہنمائی نہ کریں اور محدث صاحب یہ بھی ثابت کریں کہ یہ دونوں سب صحابہ کے خلاف آٹھ رکعت پڑھتے تھے اور یہ باتیں محدث صاحب انشاءاللہ قیامت تک بھی ثابت نہ کر سکیں گے۔ محدث صاحب نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر کا حکم ۱۱ رکعت کا تھا لیکن محدث صاحب کی یہ بات عقل و نقل کے بالکل خلاف ہے کیونکہ جس اثر کو محدث صاحب نے ذکر کیا ہے اس کا مدار محمد بن یوسف پر ہے اُس کی روایت میں سخت اضطراب ہے وہ کبھی ۱۱ کہتا ہے کبھی ۱۳ کبھی ۲۱ اور مضطرب روایت ضعیف ہوتی ہے تو لامحالہ یہ روایت ضعیف ہوئی تو استدلال کیا!۔اب ایک طرف یہ مضطرب اور ضعیف روایت دوسری طرف ہم نے صحیح روایات بیان کر دیں ہیں کہ حضرت عمر نے بیس کا حکم دیا تھا نیز محدث صاحب یہ بھی بتائیں کہ کیا عقل اس کو تسلیم کرتی ہے کہ حضرت عمر گیارہ کا حکم دیں اور عہد فاروقی کے صحابہ وتابعین خلیفہ راشد کے حکم کی خلاف ورزی کریں اور بیس پڑھنی شروع کر دیں۔ محدث صاحب اگر حکم گیارہ کا تھا اور صحابہ وتابعین نے اس حکم کو نہ مانا بیس پڑھنی شروع کر دیں اور آٹھ کی سنت بجائے ۲۰ تراویح کی بدعت شروع کر دی تو بتاؤ کہ حضرت عمر نے اس بدعت کو کیوں نہ مٹایا اور حضرت عمر کے بعد حضرت علی نے اس بدعت کو کیوں نہ مٹایا۔ محدث صاحب کیوں لوگوں کو صحابہ تابعین اور سلف صالحین سے بد ظن کرتے ہو۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں بیس رکعت کے سنت مؤکدہ ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے اور اجماع کی مخالفت ناجائز ہے اور یہ اجماع علامت ہے اُن احادیث (آٹھ رکعت والی اگر کوئی صحیح ہو) کے منسوخ ہونے کی (اشرف الجواب ج ۱ ص ۱۰۲)۔ حضرت حکیم الامت کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ اگر بفرض محال حدیث جابر وغیرہ صحیح بھی ہو تو بھی صحابہ کرام کا بیس رکعت پر اجماع اس کے منسوخ ہونے کی علامت ہے۔امام نووی مقدمہ شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں من اقسام النسخ مایعرف بالاجماع کقتل شارب الخمر فی المرۃ الرابعۃ فانہ منسوخ عرف نسخہ باالاجماع والاجماع لاینسخ ولکن یدل علی وجود الناسخ اور غیر مقلدوں کے جد امجد نواب صدیق حسن خاں اپنی کتاب ''افادۃ الشیوخ فی بیان الناسخ والمنسوخ'' پر لکھتے ہیں: ''چہارم آنکہ باجماع صحابہ دریافت شود کہ ایں ناسخ وآں منسوخ... ومثل اوست حدیث غلول صدقہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دراں امر باخذ صدقہ وشطر مال او فرمودہ لیکن صحابہ اتفاق کردند بر ترک استعمال ایں حدیث وایں دال است بر نسخ وے۔ ومذہب جمہور نیز ہمیں است کہ اجماع صحابہ از ادلہ بیان ناسخ است۔''نواب صاحب کی یہ عبارت اس بات پر صریح نص ہے کہ جو حدیث عہد صحابہ میں متروک العمل ہو چکی ہو وہ منسوخ ہے پس آٹھ رکعت کی روایات پر عمل کرنے والا اجماع صحابہ کا مخالف اور روایات منسوخہ پر عامل ہے جیسا کہ عیسائی اور یہودی مذہب منسوخ پر عامل ہیں پس حدیث عائشہ مدعٰی سے ساکت ہے اور حدیث جابر ضعیف بھی ہے اور منسوخ بھی، رہی حدیث ابن عباس جس میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بیس رکعت تراویح پڑھنے کا ذکر ہے اور مولوی عبدالجبار صاحب نے اُسے ابوشیبہ کی وجہ سے ضعیف کہہ دیا ہے اولاً تو میں نے ابوشیبہ کی تعدیل باعتبار حفظ وضبط اور باعتبار عدالت عرض کر دی وہ مختلف فیہ حسن الحدیث ہے ثانیاً یہ کہ جس حدیث کو تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہو وہ صحیح ہوتی ہے چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی شرح نظم الدُرر میں فرماتے ہیں:

المقبول ماتلقاء العلماء بالقبول وان لم یکن لہ اسناد صحیح اور امام سخاوی شرح الفیہ میں فرماتے ہیں اذا تلقت الامۃ الضعیف بالقبول یعمل بہ علی الصحیح حتی انہ ینزل منزلۃ المتواتر فی انہ ینسخ المقطوع بہ ولھذا قال الشافعی حدیث لاوصیۃ لوارث لایثبتہ اہل الحدیث ولکن العامۃ تلقتہ بالقبول وعملوا بہ حتی جعلوہ ناسخا لآیۃ الوصیۃ للوارث۔اور علامہ حافظ ابن حجر ''الافصاح علی نکت ابن الصلاح ''میں فرماتے ہیں'' ومن جملۃ صفات القبول۔ان یتفق العلماء علی العمل بمدلول الحدیث فانہ یقبل حتی یجب العمل بہ وقد صرح بذالک جماعۃ من آئمۃ الاصول''اس قاعدے کو غیر مقلدوں کے مشہور مناظر مولوی ثناءاللہ صاحب امرتسری نے بھی تسلیم کیا ہے (دیکھو اخبار اہل حدیث مؤرخہ ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ ء)۔

اب محدث صاحب کی خدمت میں گزارش ہے کہ عام علمائے اُمت کے قبول کر لینے سے جب ضعیف حدیث واجب العمل ہو جاتی ہے تو بیس رکعت والی حدیث جس پر خلفائے راشدین نے حکم دے کر عمل کروایا اور تمام صحابہ کرام نے عہد فاروقی سے لے کر اور تمام تابعین اور تبع تابعین نے تمام آئمہ مجتہدین نے اس پر عمل کیا ہو اور تمام اُمت کا بارہ سو سال تک بلا اختلاف اس پر عمل ہو پھر تو ابو شیبہ کی یہ حدیث اتنی قوی اور مستحکم ہو جاتی ہے کہ اس کے بعد اس کو ضعیف کہہ کر پیچھا چھڑانا بالکل ناممکن ہو جاتا ہے۔ مقصد یہ کہ بیس رکعت کی حدیث اجماع اُمت کے موافق ہونے کی وجہ سے واجب العمل ہے اور آٹھ رکعت والی مخالف اجماع ہونے کی وجہ سے متروک اور منسوخ ہے۔

اہل سنت وجماعت تمام احادیث پر عمل کرتے ہیں

ان غالی غیر مقلدین کا عجیب طریقہ ہے کہ تمام ذخیرہ حدیث فی الباب سے ایک حدیث لے لیتے ہیں جو اپنے نفس کی خواہش کے مطابق ہو اور اُس کے خلاف خواہ کس قدر احادیث ہوں بس ایک وہی حدیث پیش کئے جاتے ہیں اور اپنے مخالفوں کو مخالفِ حدیث کہے جاتے ہیں۔ حضرت قاری عبد الرحمن ان غُلاۃ کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ یہ بیشک عامل بالحدیث ہیں لیکن الف لام الحدیث میں عوض میں مضاف کے ہے اور وہ مضاف الیہ نفس ہے یعنی عامل بالحدیث النفس تو واقعی یہ لوگ حدیث نفس کے عامل ہیں حدیثِ رسول ﷺ پر عامل نہیں۔ یہ لوگ اپنے نفس کے مطابق احادیث تلاش کر لیا کرتے ہیں جیسے کسی کی حکایت مشہور ہے کہ اُس سے پوچھا گیا کہ تمہیں قرآن کا کونسا حکم سب سے زیادہ پسند ہے، کہا ربنا انزل علینا مائدہ من السماء اسی طرح انہوں نے بھی تراویح کی تمام احادیث سے صرف آٹھ والی حدیث پسند کی اور وتر کی تمام حدیثوں سے ایک وتر والی حدیث پسند کی۔ تمام رات تراویح پڑھنا جو صحیح حدیث سے ثابت ہے اس سنت کو تو کبھی ادا نہیں کیا لیکن سنت فجر کے بعد سونے کی سنت پر خوب زور ہے سبحان اللہ کیا معیار ہے۔ ایک حدیث کو مان کر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ قول و فعلِ رسول یہی ہے باقی تمام ذخیرہ حدیث کو خاطر میں نہیں لاتے اور ان کے اس سبق کے رٹنے کا صرف ایک ہی مقصد ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے سلف صالحین کے اعمال کو خلافِ حدیث ظاہر کر کے اُن کی تقلید سے منحرف کریں اور اپنی تقلید کا پھندا اُن کے گلے میں پیوست کر دیں قاتلھم اللہ انی یوفکون۔ اس مسئلے میں بھی یہ حنفیہ کو مخالفِ حدیث کہتے ہیں اور اپنے آپ کو عامل بالحدیث حالانکہ نہ یہ آٹھ والی روایات کو مانتے ہیں نہ بیس والی کو کیونکہ حدیث عائشہ تہجد کے متعلق ہے کہ رسول پاک ﷺ رمضان غیر رمضان میں گیارہ رکعت تہجد پڑھتے تھے لیکن غیر مقلد رمضان کے مبارک مہینہ میں تہجد بھی نہیں پڑھتے بلکہ جو غیر مقلد غیر رمضان میں تہجد پڑھتے ہیں وہ بھی رمضان میں چھوڑ بیٹھتے ہیں اور دوسروں کو بھی منع کرتے ہیں۔ اہل سنت رمضان اور غیر رمضان میں ۸ رکعت تہجد اور تین وتر پڑھتے ہیں غرضیکہ حنفی تو حدیثِ عائشہ پر پورا عمل کرتے ہیں لیکن غیر مقلد نہ تہجد کے بارے میں اس پر عامل ہیں نہ وتر کے بارے میں کیونکہ غیر مقلد جتنی دلیلیں آٹھ تراویح پر لاتے ہیں ہر ایک میں تین وتر کا ذکر ہے اور غیر مقلد ایک وتر پڑھتے ہیں۔ حدیثِ عائشہ اور حدیثِ جابر میں بھی تین وتر کا ذکر ہے اور حضرت فاروق اعظم کے حکم میں بھی تین رکعت وتر مذکور ہیں، نہ تو غیر مقلدوں نے حضرت عائشہ کی اس حدیث پر عمل کیا اور نہ حضرت عائشہ کی اُن روایتوں پر عمل کیا جن کو میں شروع میں نقل کر چکا ہوں کہ رسول پاک ﷺ رمضان المبارک میں غیر رمضان سے زیادہ کوشش اور محنت فرماتے تھے، زیادہ شب بیداری کرتے تھے اور زیادہ نماز پڑھتے تھے بلکہ غیر مقلد تو زیادتی سے منع کر کے کھلم کھلا ان حدیثوں کی مخالفت کرتے ہیں نہ تو ان تینوں بزرگوں یعنی حضرت عائشہ، حضرت جابر، حضرت عمر کی مذکورہ روایات پر غیر مقلدین کا عمل ہے اور نہ ان تینوں کے اپنے عمل کو مانتے ہیں کیونکہ حضرت عائشہ، حضرت جابر، حضرت عمر تینوں کے سامنے بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی تھیں ان تینوں میں سے کسی ایک نے بھی بیس رکعت تراویح سے منع نہ فرمایا بلکہ خود اُن کے ساتھ شامل ہو گئے اور کوئی غیر مقلد یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ یہ تینوں آٹھ رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ جب ان تینوں میں سے کسی نے بیس رکعت کا انکار نہ کیا اور نہ منع فرمایا تو غیر مقلد کس دلیل سے بیس رکعت سے منع کرتے ہیں۔ غرض نہ ان تینوں کی روایت کو مانتے ہیں اور نہ عمل کو اس کے بر خلاف اہل سنت وجماعت تمام احادیث کو مانتے اور عمل کرتے ہیں۔ حضرت جابر کی آٹھ رکعت والی روایت اگرچہ صحیح نہیں ہے اس لیے ذہبی نے میزان الاعتدال میں اُسے منکر روایات میں ذکر کیا ہے اور جس امرِ فاروقی کو غیر مقلد پیش کرتے ہیں وہ

مضطرب ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے اسی لیے علامہ ابن عبدالبر نے اس کو وہم قرار دیا ہے نیز یہ صحیح روایات اور عقلِ سلیم کے بھی خلاف ہے تاہم اگر بفرض محال آٹھ رکعت پر اگر کوئی لولی لنگڑی روایت ہو پھر بھی وہ ہم کو مضر نہیں اور نہ غیر مقلدین کو مفید ہے کیونکہ بیس میں آٹھ بھی شامل ہیں۔ اور بیس پڑھنے والا بیس والی روایات پر بھی عمل کر رہا ہے اور آٹھ والی روایات پر بھی کیونکہ آٹھ رکعت پر حصر کی کوئی دلیل نہیں ہے اور کسی ایک ضعیف روایت میں بھی یہ نہیں کہ آٹھ سے زیادہ منع ہیں تو بیس رکعت پڑھنا آٹھ والی کے مخالف کیسے ہوا بلکہ دونوں پر عمل ہوا۔

مثال اول: بعض روایات میں ہے کہ رسول پاک ﷺ ہر روز ستر مرتبہ استغفار پڑھتے تھے اور بعض میں سو مرتبہ کا ذکر ہے۔ اب اگر کوئی شخص سو مرتبہ استغفار پڑھے تو کون عاقل کہے گا کہ اس نے ستر والی روایت کی مخالفت کی ہے بلکہ حقیقت میں اس نے دونوں حدیثوں پر عمل کیا ہے کیونکہ سو میں ستر بھی داخل ہیں۔

مثال دوم: رسول پاک ﷺ کی تہجد کی رکعات مختلف آئی ہیں ٤ ٣ اور ٣٦ اور ٣٨، ٣١٠ (رواہ عائشہ مشکوٰۃ ج ١ ص ١١٢) اب اگر کوئی شخص ٣٨ یا ٣١٠ پڑھ لے تو کون نادان کہے گا کہ اس نے ٤، ٦ والی سنت کی مخالفت کی ہے بلکہ صاف بات ہے کہ ٨ میں ٤ اور ٦ بھی شامل ہیں۔

مثال سوم: مسلمان شروع سے پانچ نمازیں روزانہ پڑھتے ہیں لیکن منکرین حدیث نے کچھ دنوں سے یہ شور مچایا ہے کہ قرآن کی آیت اقم الصلوۃ لدلوک الشمس الخ سے صرف تین نمازیں ثابت ہیں اس لیے پانچ نمازیں پڑھنا اس آیت کے خلاف ہے حالانکہ یہ بالکل غلط بات ہے اگر ایک آیت سے بظاہر تین نمازیں سمجھ آتیں ہیں تو باقی آیات واحادیث سے پانچ ثابت ہیں اور پانچ میں یہ تین بھی داخل ہیں تو پھر پانچ پڑھنے والا اس آیت کا مخالف کیونکر ہوا وہ تو اس پر بھی عامل ہوا اور دوسری آیات وروایات پر بھی عامل ہوا۔

مثال چہارم: شیعہ کہتے ہیں کہ اہل سنت حضرت علی کی خلافت کے مخالف اور منکر ہیں کیونکہ یہ ایک کی بجائے چار کی خلافت مانتے ہیں اور جن روایات سے حضرت علی کی فضیلت یا خلافت کے اشارے نکلتے ہیں اُن کو اہلِ سنت کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں حالانکہ اُنکا ایسا کرنا خود فریبی کے سوا کچھ نہیں کیونکہ جن چار کو ہم مانتے ہیں اُن میں حضرت علی بھی شامل ہیں تو جب اُن چاروں میں وہ ایک بھی شامل ہیں تو چار کا ماننا حضرت علی کی مخالفت کیسے ہوئی۔ حضرت جابر نے جو آٹھ رکعت روایت کی ہیں ابن عباس کی بیس والی روایت میں وہ آٹھ بھی شامل ہیں پس بیس والی روایت پر عمل دونوں روایتوں پر عمل ہے اور بیس والی کا انکار دونوں کا انکار ہے کیونکہ دوسری اسی میں شامل ہے تو بیس رکعت پڑھنا آٹھ رکعت کے مخالف کیسے ہوا، بلکہ بیس پڑھنے والا آٹھ بھی پڑھتا ہے پس آٹھ رکعت کی دلیلوں کو سنیوں کے مقابلہ میں پیش کرنا ایسا ہی ہے جیسا شیعوں کا سنیوں کے مقابلہ میں فضائل علی کی روایات پڑھنا جبکہ حضرت علی کی خلافت چاروں میں شامل ہے چنانچہ بعض لوگوں نے ان تمام روایات کو جمع کیا ہے کہ آٹھ والی مرفوع روایات میں جماعت کا ذکر ہے اور بیس والی مرفوع روایت میں جماعت کا ذکر نہیں اس لیے ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر نے پہلے صرف آٹھ رکعت باجماعت پڑھنے کا حکم دیا ہو اور باقی بارہ رکعت لوگ بلا جماعت پڑھتے ہوں اور پھر بیس رکعت باجماعت پڑھنے کا حکم دے دیا ہو اور اسی آخری حکم پر اجماع منعقد ہو گیا۔ چنانچہ امام بیہقی، علامہ ابن حجر، ملا علی قاری وغیرہم نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ پہلے حضرت عمر نے گیارہ کا حکم دیا پھر بیس کا اور اسی پر اجماع منعقد ہو گیا، اب بیس پڑھنے والا حضرت عمر کے دونوں حکموں پر عمل کرتا ہے کیونکہ دوسرا حکم پہلے کے مخالف نہیں ہے بلکہ پہلا دوسرے میں شامل ہے اور غیر مقلد دونوں حکموں کے منکر ہیں کیونکہ جب دوسرا حکم دیا تو پہلا اُسی میں شامل ہو گیا اور دونوں مل کر ایک ہی حکم رہ گیا تو آخری حکم پر عمل دونوں پر عمل اور آخری حکم کا انکار دونوں کا انکار ہے۔ اور صحابہ کرام ایک تراویح میں ایک قرآن پاک ختم کرتے تھے اس لیے قاریوں نے قرآن پاک میں تراویح کے لیے رکوع مقرر کر دیئے اور وہ بھی بیس کے حساب سے لگائے ہیں چنانچہ رکوع سارے قرآن میں ٥٤٠ ہیں اور لیلۃ القدر ستائیسویں رات کو قرآن ختم کرتے ہیں

تاکہ لیلۃ القدر میں ختم کا ثواب ملے۔ اسی حساب سے پورے رکوع ہیں ۵۴۰۲۰۲۷

بعض غیر مقلد جب چاروں طرف سے عاجز آجاتے ہیں تو یہ کہا کرتے ہیں کہ بیس رکعت سنت خلفاء ہے اور آٹھ سنت نبوی ہیں۔ حضور ﷺ نے آٹھ ہی پڑھی تھیں صحابہ نے ۱۲ بڑھا لیں اس لیے ۸ پڑھنے والے سنت نبوی پر عامل ہیں اور بیس پڑھنے والے سنت خلفاء پر، تو عرض ہے کہ یہ مغالطہ ہے اولاً تو یہ غلط ہے کہ صحابہ سنت نبوی پر زیادتیاں کر لیتے تھے اگر یہ گمان رکھو تو ہو سکتا ہے کہ جن صحابہ نے ۸ کو بیس کر لیا ہو انہوں نے قرآن میں بھی زیادتی کی ہو۔ اگر وہ پیغمبر کے فعل میں اپنی مرضی سے زیادتی کر لیتے تھے تو پھر خدا جانے پیغمبر کے کلام میں انہوں نے کتنی زیادتیاں کی ہوں گی۔ ثانیاً بیس جس کو تم نے سنت فاروقی کہا ہے اس میں آٹھ جس کو سنت نبوی کہتے ہو وہ بھی شامل ہیں تو بیس پڑھنے والا سنت نبوی اور سنت فاروقی دونوں کا عامل ہوا، کیا غیر مقلدین کے پاس کوئی ایک حدیث ہے جس میں حصر کے ساتھ مذکور ہو کہ صرف آٹھ تراویح سنت ہے، ایک بھی نہیں۔ کیا کسی ایک حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیس رکعت پڑھنا بدعت ہے۔ غیر مقلد بتائیں کہ ۲۰ رکعت تراویح کو بدعت و حرام جانتے ہیں یا مستحب، بعض غیر مقلد عاجز آ کر یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم کو تو بیس رکعت با جماعت پر اعتراض ہے تو اُن سے فوراً کہو کہ جناب آپ جماعت کا لفظ نہ لکھیں پہلے صرف اتنا لکھ دیں کہ ہم بیس رکعت تراویح کو سنت مانتے ہیں اس کو شائع کر دیں اور ساتھ یہ بھی شائع کریں کہ باجماعت پڑھنا مکروہ ہے یا حرام اور اُس کی بہترین دلیل جس سے بیس کا باجماعت پڑھنا منع ثابت ہو پیش کر دیں اور یہ بھی لکھ دیں کہ جو صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین بیس رکعت پڑھتے تھے اُن پر کیا فتویٰ ہے اور حضرت عمر نے جنہوں نے بیس رکعت باجماعت پر لوگوں کو جمع فرمایا وہ غیر مقلدوں کی شریعت کے مطابق کتنے بڑے مجرم ہیں۔ بعض غیر مقلدین نے یہ مغالطہ دیا ہے کہ آٹھ رکعت پر غیر مقلدین اور مقلدین کا اتفاق ہے اس لیے آٹھ کو لے لینا چاہیے اور بارہ میں دونوں فریقوں میں اختلاف ہے اُن کو ترک کر دینا چاہیے۔ سبحان اللہ غیر مقلد صاحب اگر کوئی عیسائی آپ کی خدمت میں یہ عرض کرے کہ جناب عیسٰی کی رسالت و نبوت پر چونکہ عیسائیوں اور مسلمانوں کا اتفاق ہے اور حضرت محمد مصطفی ﷺ کی نبوت میں دونوں فرقوں کا اختلاف ہے اس لیے سب مسلمانوں کو چاہیے کہ حضور ﷺ کی نبوت سے معاذ اللہ انکار کر کے صرف حضرت عیسٰی کی نبوت کے قائل ہو جائیں تو آپ کیا جواب دیں گے۔ اس قسم کی بہکی بہکی باتیں کرنا مسلمانوں کی شان نہیں ہے لوگوں کو مغالطوں میں مبتلا نہ کرو۔ خلاصہ یہ ہے کہ:

۱) آٹھ رکعت کی روایت سخت ضعیف ہے اور اجماع صحابہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے منسوخ ہے تو آٹھ رکعت تراویح پڑھنے والا صحیح اور محکم حدیثوں کو چھوڑ کر ضعیف اور منسوخ حدیثوں پر عمل کرنے کی وجہ سے سخت غلطی کا شکار ہے۔

۲) بیس رکعت پڑھنے والے سب حدیثوں کو مانتے ہیں کیونکہ بیس میں آٹھ بھی شامل ہیں اور آٹھ پڑھنے والے صرف ضعیف اور منسوخ روایات کے آستانہ پر دھونی رمائے بیٹھے ہیں اور محکم و صحیح احادیث سے منہ موڑے بیٹھے ہیں۔

۳) بیس رکعت پڑھنے والے حضرت عمر فاروق کے دونوں حکموں کو مانتے ہیں اور آٹھ پڑھنے والے حضرت عمر کے آخری حکم کے منکر ہیں۔

۴) بیس رکعت پڑھنے والے فرمان نبوی علیکم بسنتی وسنت الخلفاء الراشدین المہدیین تمسکوا بھا و عضوا علیھا بالنواجذ میری اور میرے خلفائے راشدین کے طریقے کو مضبوطی سے پکڑو کے عامل ہیں کیونکہ بیس رکعت باجماعت خلفائے راشدین کے حکم سے شروع ہوئیں اور آٹھ رکعت پڑھنے والے نہ سنت نبوی کے عامل کیونکہ حدیث جابر منسوخ ہے اور حدیث ابن عباس، احادیثِ شدتِ اجتہاد شدّ مرّیز وغیرہ پر عمل نہیں کرتے اور نہ سنت خلفاء کے عامل بلکہ دونوں سنتوں کے مخالف ہیں۔

(۵) بیس رکعت پڑھنے والے صراط مستقیم ماانا علیہ واصحابی۔ خیر القرون قرنی الخ تمسکوا ابن مسعود پر گامزن ہیں اور آٹھ پڑھنے والے سبیل مومنین سے منحرف ہو کر نصلہ جھنم وساءت مصیرا کی وعید میں داخل ہیں۔

(٦) بیس رکعت پڑھنے والے سوادِ اعظم اور اجماع اُمّت کے مطابق عمل کر کے خدا کی رحمتوں اور برکتوں کے مستحق بنتے ہیں اور آٹھ رکعت پڑھنے والے من شَذ شُذ فی النار کی وعید کے سزاوار ہیں۔

(۷) بیس رکعت تراویح پڑھنے والے قیامت کے دن اپنے مقتداؤں یعنی پیغمبرِ اسلام ﷺ ، خلفاء راشدین، صحابہ کرام، آئمہ مجتہدین کے ساتھی ہوں گے اور بیس رکعت سے منع کرنے والے ارأیت الذی ینھٰی عبدا اذا صلّٰی کی جماعت میں شامل ہوں گے۔

(۸) رسول پاک ﷺ نے فرمایا ان اللہ وضع الحق علی لسان عمر اللہ تعالی نے حق حضرت عمر کی زبان پر رکھا ہے اور دوسری طرف یہ فرمایا کہ شیطان حضرت عمر کے سائے سے بھاگتا ہے اور شیطان کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ حضرت عمر کے راستے پر چل سکے۔ اے بیس رکعت تراویح پڑھنے والو! تم کتنے خوش نصیب ہو کہ حضرت عمر کے دونوں حکموں پر عامل ہو اور حق پرستوں کی جماعت میں داخل ہو اور اے آٹھ رکعات پڑھنے والوں! تم حضرت عمر کے آخری فرمان سے جس پر ساری اُمّت کا اجماع ہو چکا ہے پھِر کر کس رستے پر جا رہے ہو تم کو یہ توفیق کیوں نہیں کہ حضرت عمر کے راستہ پر چلو۔

آخر میں حضرت حکیم الامت کی کتاب اشرف الجواب ج ۲ ص ۱۰۳ سے ایک اقتباس نقل کر کے ختم کرتا ہوں:

”بھئی سنو! محکمہ مال سے اطلاع آئے کہ مال گزاری داخل کرو اور تمہیں معلوم نہ ہو کہ کتنی ہے تم نے ایک نمبردار سے پوچھا کہ میرے ذمہ کتنی مال گزاری ہے اُس نے کہا آٹھ روپے پھر تم نے دوسرے نمبردار سے پوچھا اُس نے کہا بیس روپے تو اب بتاؤ تمہیں کچہری کتنی رقم لے کر جانا چاہیے اس شخص نے جواب دیا کہ صاحب بیس روپے لے کر جانا چاہیے۔ اگر بیس روپے ادا کرنے پڑے تو کسی سے مانگنے نہ پڑیں گے اور اگر آٹھ ادا کرنے ہوئے تو باقی رقم بچ رہے گی۔ اور اگر میں کم لے کر گیا اور وہاں زیادہ طلب کیے گئے تو کس سے مانگتا پھروں گا۔ مولانا نے فرمایا بس خوب سمجھ لو کہ اگر وہاں بیس رکعتیں طلب کی گئیں اور ہیں تمہارے پاس آٹھ تو کہاں سے لا کر دو گے اور اگر بیس ہیں اور طلب کم کی گئیں تو بچ رہیں گی اور تمہارے کام آئیں گی۔“

اللہ تعالی عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

حدیث ابن عباس اور 20 رکعات تراویح کی روایات پر اعتراضات کے جوابات۔۔۔

دلیل نمبر 1: قال الامام الحافظ المحدث أبو بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة العبسي الكوفي (م- 235ھ-): حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ، عَنِ الْحَكَمِ

، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالوِتْرَ .

تحقیق السند: اسنادہ حسن وقد تلقتہ الامۃ بالقبول فھو صحیح۔

)مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص284 باب کم یصلي في رمضان من رکعۃ. المعجم الکبیر للطبرانی ج5 ص433 رقم 11934، المنتخب من مسند عبد بن حمید ص218 رقم 653، السنن الکبری للبیھقی ج2 ص496 باب مَا رُوِيَ فِي عَدَدِ رَكَعَاتِ الْقِيَامِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ.)

اعتراض نمبر 1۔ غیر مقلدین کی طرف سے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی ابرھیم بن عثمان ابوشیبہ ضعیف ہے ۔اس کو امام بیہقیؒ۔امام زیلعیؒ۔امام نسائیؒ۔وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔امام بخاریؒ نے اس کے بارے میں سکتوا عنہ اور امام ابو حاتمؒ نے سکتوا عنہ اور تر کو احدیثہ فرمایا ہے۔ امام احمدؒ نے اس کو منکر الحدیث اور امام ابن عدیؒ نے اس کو لین کہا ہے اور اس کی حدیث کو انہوں نے اپنی کتاب الکامل میں ابوشیبہ کی مناکیر میں ذکر کیا ہے۔امام شعبہؒ نے اس کی ایک روایت کے بارے میں کذب کہا ہے۔(محصلہ انوار المصابیح ص169 -177)

بعض غیر مقلدین تو اس حدیث کو موضوع تک قرار دیتے ہیں، العیاذ باللہ من ذالک

جواب نمبر 1۔

اس روایت کا راوی ابرھیم بن عثمان ابوشیبہ اگرچہ مجروح ہے لیکن یہ اتنا ضعیف نہیں ہے کہ اس کی روایات کو بالکل رد یا موضوع قرار دیا جائے کیونکہ بعض ائمہ رجال نے اس کی توثیق بھی کی ہے چنانچہ امام شعبہ بن الحجاجؒ نے اس سے روایت لی ہے۔(تہذیب الکمال 390/1 تہذیب التہذیب 144/1

اور غیر مقلدین کے ہاں یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ امام شعبہ صرف اسی سے روایت لیتے ہیں جو ثقہ راوی ہو اور اس کی احادیث صحیح ہو۔چنانچہ مولانا عبدالرؤف سندھو غیر مقلد لکھتے ہیں۔ شیخ احمد شاکر (جو غیر مقلدین کے بڑے عالم تھے) فرماتے ہیں کہ محمد بن مہران سے شعبہ نے بھی روایت لی ہے اور وہ ثقہ ہی سے روایت لیتے ہیں (القول المقبول شرح صلوۃ الرسول ص386) علامہ شوکانی اور مولانا عبدالرحمان مبارک پوری وغیرہ مقلدین علماء امام شعبہؒ کے بارے میں لکھتے ہیں وھو لا یحمل عن مشائخھم الا صحیح حدیثھم (نیل الاوطار 16/1 ابکار المنن ص147، 150 وغیرہ) امام شعبہؒ اپنے مشائخ سے صرف وہی حدیثیں بیان کرتے ہیں جو صحیح ہوتی ہے ۔اس طرح جن جن ثقہ (قابل اعتماد) محدثین نے بیس (۲۰) رکعت کی روایت لی، یہ ان کی قوی تائید ہے ورنہ یہ حضرات اس طرح متفق نہ ہوتے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر ابوشیبہ اتنا ضعیف راوی ہے اور اس کی حدیث صحیح نہیں تو پھر امام شعبہؒ نے اس سے روایت کیوں بیان کی ہے؟؟

2۔امام ابن عدی ابوشیبہ کے بارے میں فرماتے ہیں: لہ احادیث صالحۃ کہ ابوشیبہ کی احادیث درست ہیں (تہذیب الکمال 1/ 393)

)غیر مقلدین کی طرف سے اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگرچہ ابن عدی نے ابوشیبہ کی روایات کے بارے میں لہ احادیث صالحہ فرمایا ہے لیکن اس قول سے اس کی مذکورہ روایات کو کیا فائدہ ہوا کیونکہ انہوں نے اس روایت کو ابوشیبہ کی مناکیر میں شمار کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ مذکورہ روایت اس کی صالح حدیثوں میں شامل نہیں ہے۔(محصلہ انوار المصابیح ص 183)وغیرہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس اعتراض کا جواب خود غیر مقلدین (مولانا نزیر رحمانی وغیرہ) نے تسلیم کیا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ امام ابن عدی کسی راوی کی روایت کو منکر شمار کریں تو وہ روایت فی الواقع بھی منکر ہی ہو۔ چنانچہ مولانا نزیر رحمانی صاحب لکھتے ہیں: ابن عدی کا یہ صنیع صرف مجروح راوی کیساتھ خاص نہیں اور نہ یہ بات ہے کہ (جس روایت کو وہ منکر شمار کریں۔ ناقل) وہ روایت منکر ہوتی ہے جیسا کہ علامہ مئوی کہہ رہے ہیں بلکہ وہ روایت ذکر کرتے ہیں جس پر جرح وانکار کیا گیا یہ ضروری نہیں کہ فی الواقع وہ منکر بھی ہو۔(انوار المصابیح ص 126)اب غیر مقلدوں کے اعتراض کا جواب خود انہی کے علماء کے قلم سے دیئے گئے جواب سے زیادہ بہتر کیا ہو سکتا ہے۔)

واضح رہے کہ امام ابن عدی نے شیبہ کی احادیث کو تو صالح کہا ہے لیکن انہوں نے عیسی بن جاریہ (جو رسول اللہ ﷺ سے مروی گیارہ رکعات والی روایت کے راوی ہیں) کے بارے میں فرمایا ہے: احادیثہ غیر محفوظہ کہ اس کی احادیث غیر محفوظ ہیں۔ تہذیب التہذیب 187/8

اب جس کی روایات صالح اور درست ہیں وہ تو غیر مقلدین کے نزدیک نہایت ضعیف راوی ہے لیکن جس کی احادیث غیر محفوظ اور شاذ ہیں، وہ غیر مقلدین کے ہاں اونچے درجے کا ثقہ راوی ہے۔ غیر مقلدین کا یہ بھی عجیب انصاف ہے؟؟؟

3۔امام بخاریؒ کے استاز الاستاذ حضرت یزید بن ہارونؒ جو ابوشیبہ کے زمانہ قضاء میں ان کے کاتب اور منشی تھے، وہ بھی ابوشیبہ کے بڑے مداح تھے۔ چنانچہ وہ اس کے بارے میں یہاں تک فرماتے تھے۔

ماقضی علی الناس رجل یعنی فی زمانہ اعدل فی قضاء منہ۔ ابرھیم ابوشیبہ سے بڑھ کر اپنے زمانے میں کوئی قاضی عادل نہیں ہوا۔ تہذیب الکمال 392/1

اب جو شخص قضاء اور لوگوں کے ساتھ معاملات میں اتنا بڑا عادل ہے وہ نبی کریم ﷺ کی حدیث بیان کرنے میں عادل کیوں نہیں ہوگا؟؟؟؟اور راوی کے ثقہ ہونے کیلئے بنیادی طور پر دو چیزیں دیکھی جاتی ہیں، ایک ضبط یعنی قوت حافظہ اور دوسری عدالت۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمان مبارکپوری غیر مقلد لکھتے ہیں: لابد فی کون الشخص ثقۃ من شیئین العدالۃ والضبط۔ راوی کے ثقہ ہونے کیلئے دو چیزیں ضروری ہیں نمبر 1 عدالت نمبر 2 قوت حافظہ۔۔(ابکار المنن ص 169

اب امام ابن عدی کا ابوشیبہ کے بارے میں لہ احادیث صالحہ کہنا ابوشیبہ کے ضبط اور قوت حافظہ کو ثابت کرتا ہے کیونکہ اس کا حافظہ اگر قوی نہیں تھا تو اس کے پاس صالح اور درست حدیثیں کیسے آگئیں؟؟؟اور یزید بن ہارون کی اس شہادت کے بعد تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اونچے درجے کا عادل تھا۔

4۔۔امام ابن عدی نے ابوشیبہ کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے: وھو وإن نسبوہ إلی الضعف خرامن إبراھیم بن أبی حیۃ، {تہذیب الکمال ج 1 ص 393)لوگوں نے اگرچہ ابوشیبہ کو ضعف کی طرف منسوب کیا ہے لیکن وہ ابرھیم بن ابی حیہ سے بہتر ہے۔

اور ابراھیم بن ابی حیہ کے بارے میں امام الرجال حضرت یحیٰ بن معین فرماتے ہیں: ثقۃ کبیر، یہ شیخ ہیں اور بہت بڑے ثقہ ہیں۔(لسان المیزان 53/1)

یہ امام ابن معین کی طرف سے ابر ھیم بن ابی حیہ کی زبردست اور مقرر توثیق ہے کیونکہ لفظ ثقہ الفاظ تعدیل میں سے تو ہے ہی۔ لفظ شیخ بھی الفاظ تعدیل میں سے ہے ۔دیکھئے توضیح الکلام 480/1

نیز مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں۔اصول حدیث کے طالب پر مخفی نہیں کہ مقرر توثیق تعدیل میں درجہ اول کے الفاظ میں شمار ہوتے ہیں۔(توضیح الکلام 268/1)

اگرچہ ابن ابی حیہ پر جرح بھی کی گئی ہے (امام نسائی نے اس کو ضعیف، ابن المدینی نے لیس بشی، امام ابو حاتم اور امام بخاری نے منکر الحدیث، اور امام دار قطنی نے اس کو متروک کہا ہے ابن حبان نے بھی اس پر جرح کی ہے، (لسان المیزان 53/1)

لیکن یہ سب جرحین غیر مقلدین کے نزدیک مبہم اور غیر مفسر ہیں کیونکہ اس کی توثیق بھی کی گئی ہے لہذا یہ مختلف فیہ راوی ہے اور غیر مقلدین کے مشہور محدث حافظ محمد گوندلوی صاحب لکھتے ہیں: کہ جب راوی مختلف فیہ ہو تو اس کی حدیث حسن ہوتی ہے (خیر الکلام ص 238)

بنابریں جب ابن ابی حیہ اس درجہ کا راوی ہے کہ بقول غیر مقلدین اس کی حدیث حسن ہے تو پھر ابراھیم ابوشیبہ جو اس سے بہتر ہے اس کی حدیث کیوں قابل قبول نہیں؟؟؟

لہذا جب ابراہیم بن ابی حیہ ثقہ ہے تو ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ بدرجہ اولی ثقہ ہونا چاہیے۔

آپ اپنے جور و جفا پہ خود ہی ذرا غور کریں

ہم عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

ابوشیبہ پر کی گئی جرحوں کا جائزہ۔۔

پیچھے ہم یہ بیان کر چکے ہیں ابن ابی حیہ پر جرح بھی کی گئی ہے اور اس کی توثیق بھی کی گئی ہے ابن ابی حیہ پر جرح (امام نسائی نے اس کو ضعیف، ابن المدینی نے لیس بشی، امام ابو حاتم اور امام بخاری نے منکر الحدیث، اور امام دار قطنی نے اس کو متروک کہا ہے ابن حبان نے بھی اس پر جرح کی ہے، لسان المیزان 53/1

لیکن یہ سب جرحین خود غیر مقلدین کے نزدیک مبہم اور غیر مفسر ہیں: چنانچہ زبیر علیزئی غیر مقلد لکھتے ہیں: صرف ضعیف یا متروک یا منکر الحدیث کہہ دینا جرح مفسر نہیں ہے۔(رسالہ رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ ص 65) مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: متروک جرح غیر مفسر ہے۔(توضیح الکلام 143/1) مولانا نزیر رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں: مستند علماء نے اس (لفظ منکر الحدیث) کے جرح مبہم ہونے کی تصریح کی ہے۔(انوار المصابیح ص 119) مولانا محمد گوندلوی تو امام بخاری کی جرح منکر الحدیث کو بھی غیر مفسر کہتے ہیں۔(دیکھئے خیر الکلام ص 162)

پس جب یہ تمام جرحیں خود غیر مقلدین کے نزدیک مبہم ہیں اور متعدد علمائے غیر مقلدین نے تصریح کی ہے جرح مبہم توثیق کے بعد معتبر نہیں ہوتی۔ چنانچہ مولانا محمد گوندلوی صاحب لکھتے ہیں: مبہم جرح توثیق کے بعد مقبول نہیں ہوتی۔(خیر الکلام ص 158) مولانا عبدالرحمان مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں: کہ جرح مبہم

مضر نہیں ہے۔(دیکھئے ابکار المنن ص80 وغیرہ)مولانا نزیر رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ جب کسی راوی کی تعدیل وتوثیق کسی حاذق اور ماہر فن محدث نے کی ہو تو اس کے حق میں جرح مفسر ہی مقبول ہو گی غیر مفسر اور مبہم جرحوں کا اعتبار نہ ہو گا۔(انوار المصابیح ص138)

تو اس تفصیل کیساتھ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ابو شیبہ پر جتنی جرحیں کی گئی ہیں۔ تقریباوہ سب جرحیں خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی مبہم اور غیر مفسر ہیں۔ مثلاامام ابو داؤدؒ،امام بہیقیؒ اور امام زیلعیؒ وغیرہ نے اس کو ضعیف اور امام نسائی وغیرہ نے اس کو متروک کہا ہے اور ابن حیہ کے تذکرہ میں غیر مقلدین کے حوالے سے ہم نے بیان کر دیا ہے کہ یہ جرحیں مبہم ہیں۔ نیز یہ بات بھی ہم نے متعدد علمائے غیر مقلدین کے حوالہ سے بیان کر دی کہ جرح مبہم مضر نہیں ہے۔

اب ان جرحوں کی حیثیت خود غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں ملاحظہ ہوں۔

1۔امام بخاریؒ اور امام ابو حاتمؒ نے ابو شیبہ کے بارے میں سکتوا عنہ اور ترکوا عنہ فرمایا ہے اور ان دونوں جملوں سے انہوں نے اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا بلکہ دوسروں لوگوں کی رائے نقل کی ہے۔اور یہ کلام بھی موجب جرح نہیں کیونکہ جرح کرنے والے مجہول ہیں چنانچہ اس قسم کی ایک جرح لینوہ کے بارے میں مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: امام دار قطنیؒ نے اگر لینوہ کہا ہے تو اس کو لین کہنے والے مجہول ہیں لہذا اس کا کوئی اعتبار نہیں (توضیح الکلام 534/1)

نیز لکھتے ہیں: اگر جارح مجہول ہے تو اہل علم نے جرح قبول نہیں کیا۔(توضیح الکلام 534/1)مزید لکھتے ہیں: یہ کلام موجب جرح نہیں کیونکہ یہ مجہول آدمی سے ہے کہ کس نے یہ کہا ہے۔(توضیح الکلام 534/1)زبیر علیزئی غیر مقلد لکھتے ہیں: ابن ابی حاتم کا قول تکلموا فیہ کئی لحاظ سے مردود ہے۔2۔یہ جرح غیر مفسر ہے۔3۔اس کا جارح نہ معلوم ہے۔(نور العنین ص88) کیا ہم بھی غیر مقلدین سے ایسے انصاف کی توقع رکھ سکتے ہیں؟؟؟دیدہ باید

2۔امام احمد نے ابو شیبہ کو منکر الحدیث کہا ہے لیکن اول تو یہ جرح بھی غیر مقلدین کے نزدیک مبہم ہے جیسا کہ گزر چکا۔

ثانیا۔

امام احمد کی لفظ منکر الحدیث کے بارے میں اصطلاح ہی جدا ہے۔ چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: امام احمد نے کسی کو منکر الحدیث بالفرض کہا بھی ہو تو اس کی جرح مفسر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ منکر الحدیث امام احمد کی اصطلاح میں اس پر بولا جاتا ہے جو غریب حدیث لائے اور غریب حدیث صحیح بھی ہو سکتی ہے۔(توضیح الکلام 500/1 مولانا صفدر اپنی تصانیف کے آئینے میں ص 41)

مولانا محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: امام احمد اور اس قسم کے لوگ کسی کو منکر کہتے ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ قابل احتجاج نہیں ہے۔(خیر الکلام ص45)

3۔امام شعبہ نے ابو شیبہ کی مطلق تکذیب نہیں کی بلکہ صرف ایک قصہ میں اس کے بارے میں کذب فرمایا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: وکذب شعبۃ فی قصۃ (تہذیب 145/1)اور وہ قصہ کیا تھا؟؟اس کو حافظ ذہبیؒ نے یوں بیان کیا: امام شعبہ نے ابو شیبہ کو اس لئے جھٹلایا کہ اس نے حکم سے یہ روایت بیان کی کہ حضرت ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں جنگ صفین میں ستر اہل بدر نے شرکت کی تھی۔امام شعبہ نے فرمایا اس نے غلط بیانی کی۔ واللہ میں اس بارے میں حکم سے مذاکرہ کیا تو ہم نے

سوائے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے کسی اہل بدر کو نہیں پایا جس نے جنگ صفین میں شرکت کی ہو۔(میزان الاعتدال 23/1)اس بیان سے واضح ہو گیا کہ امام شعبہؒ نے ابوشیبہ کی مطلق تکذیب نہیں کی بلکہ صرف ایک واقعہ بیان کرنے میں اسے جھٹلایا ہے اور اس قصہ میں بھی ابوشیبہ کا کوئی قصور نہیں۔ کیونکہ انہوں نے یہ روایت امام حکم سے نقل کی تھی۔اب اگر یہ روایت غلط ہے تو اس میں قصور امام حکمؒ کا ہے کہ انہوں نے ہی یہ روایت بیان کی نہ کہ ابوشیبہ نے۔۔

پھر جب شعبہ نے حکم سے اس بارے میں مذاکرہ کیا تو حکم نے بھی یہ انکار نہیں کیا کہ انہوں نے یہ روایت ابوشیبہ سے نہیں بیان کی بلکہ وہ تو الٹا شعبہ کیساتھ اس بارے میں مذاکرہ کیلئے تیار ہو گئے لیکن سوائے ایک کے کسی دوسرے اہل بدری شرکت جنگ صفین میں ثابت نہ کر سکے۔اس سے معلوم ہوا کہ حکم نے ابوشیبہ کے سامنے یہ روایت ضرور بیان کی تھی ورنہ وہ امام شعبہ سے مذاکرہ کرنے اور ستر 70 اہل بدر کے اسماء ڈھونڈنے کے بجائے صاف انکار کر دیتے کہ انہوں نے یہ روایت ہی بیان نہیں کی۔

پس امام حکم کو بھی تسلیم ہے کہ انہوں نے ابوشیبہؒ سے یہ روایت بیان کی ہے۔اب اگر یہ واقعہ غلط ہے تو اس کا قصور امام حکم کے سر ہے کیونکہ وہ ہی صاحب واقعہ ہیں اور دلیل بھی ان کے ذمہ ہے۔لہذا حکم کی وجہ سے امام شعبہؒ کا ابوشیبہ کی تکذیب کرنا غلط اور نا قابل قبول ہے۔

امام شعبہ کا دعویٰ کے صفین میں حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی بدری شریک نہیں ہوا،اور درست نہیں،یہی وجہ ہے کہ امام ذہبیؒ نے امام شعبہؒ کی اس جرح کا یوں مزاق اڑایا ہے: قلت سبحان اللہ اما شھد ھا علی اما شھد ھا عمار (میزان الاعتدال 32/1)میں کہتا ہوں کہ سبحان اللہ: کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین میں شرکت نہیں کی تھی؟؟ کیا حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے شرکت نہیں کی تھی۔(اور یہ دونوں اہل بدر میں سے ہیں)

یعنی امام شعبہ نے صرف اس وجہ سے ابوشیبہؒ کی تکذیب کر دی کہ بجائے ستر بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کے صرف ایک حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی شرکت ثابت ہو سکی حالانکہ امام ذہبیؒ کے مطابق حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی بھی جنگ صفین میں شرکت ثابت ہے۔اور معلوم ہوا کہ امام ذہبیؒ کے نزدیک بھی ابوشیبہ پر امام شعبہؒ کی یہ جرح غلط ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی نزدیک بھی شعبہ کی یہ تکذیب قابل قبول نہیں۔چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے تقریب میں ابوشیبہ کے بارے میں متروک الحدیث لکھا ہے۔(دیکھئے انوار المصابیح ص 481)اور حافظ نے متروک الحدیث کو الفاظ جرح کے طبقہ عاشرہ میں شمار کیا ہے جبکہ جس راوی پر کذب کی تہمت لگائی گئی ہے اس کو انہوں نے طبقۃ الحادیۃ عشرہ میں شمار کیا ہے اور جس راوی پر کذب کا اطلاق کیا گیا ہے اس کو انہوں نے طبقہ الثانیۃ عشرۃ میں شمار کیا ہے۔(دیکھئے مقدمہ تقریب (52/1

لہذا جب حافظ ابن حجر نے ابوشیبہ کو نہ طبقہ حادیہ عشرہ میں شمار کیا اور نہ طبقہ ثانیہ عشرہ میں شمار کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک نہ ابوشیبہ پر کذب کی تہمت صحیح ہے اور نہ اس پر کذب کا اطلاق درست ہے۔حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور ان کی اس کتاب تقریب التہذیب کے متعلق مولانا نزیر احمد رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں: حافظ نے یہ بھی لکھا ہے اس کتاب میں کسی راوی پر وہی حکم لگاؤں گا جو اس کے حق میں کہے گئے اقوال میں سب سے زیادہ صحیح اور اس کے متعلق بیان کئے گئے اوصاف میں زیادہ مناسب ہو گا۔(انوار المصابیح ص 116 بحوالہ تقریب)

پس جب بقول مولانا رحمانی حافظ ابن حجر کے نزدیک ابوشیبہ کے بارے میں تکذیب کا قول غیر صحیح اور غیر مناسب ہے تو پھر غیر مقلدین کس منہ سے ابوشیبہ کی تکذیب پر کمربستہ ہیں۔؟؟

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے

ثانیا :

یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں کذب قصدا جھوٹ بولنے کے معنی میں نہ ہو کیوں کہ کذب کا اطلاق صرف قصدا جھوٹ بولنے پر نہیں ہوتا بلکہ کبھی کبھی اس کا اطلاق کسی بات کو بلا تحقیق نقل کرنے پر بھی ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس کی کئی مثالیں مقدمہ فتح الباری میں ذکر کی ہیں۔(دیکھئے رکعات تراویح ص 57 مؤلفہ مولانا حبیب الرحمان اعظمیؒ)

اور یہی معنٰی قرین قیاس ہے کیوں کہ امام شعبہؒ جنہوں نے خود ابرھیم ابوشیبہ سے روایت لی ہے (اور غیر مقلدین کو اقرار ہے کہ وہ صرف ثقہ راوی سے روایت لیتے ہیں) وہ کیسے ابوشیبہ کو جھوٹا کہہ سکتے ہیں۔

اس صورت میں کذب کا مطلب ہوگا کہ ابوشیبہ نے بلا تحقیق حکم کی روایت کو آگے بیان کر دیا کہ جنگ صفین میں ستر بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شرکت کی تھی، فلا اشکال۔ یا یہاں کذب خطاء کے معنٰی میں ہے یعنی ابوشیبہ سے یہ روایت بیان کرنے میں خطاء اور غلطی ہوئی ہے کیوں کہ کذب خطاء کے معنٰی میں بھی آتا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: وقد یطلق الکذب علی الخطاء۔(مقدمہ فتح الباری ص 181)

علامہ طاہر صدیقی اور علامہ ابن الاثیر جزریؒ لکھتے ہیں: وقد استعملوا الکذب علی الخطاء۔(مجمع بحار الانوار 390/4 النھایہ 159/4)

محدثین کبھی کبھی کذب کو خطاء کے معنٰی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔

غیر مقلدین حضرات بھی ضرورت پڑنے پر کذب کو خطاء کے معنٰی میں استعمال کرتے ہیں چنانچہ امام مالکؒ نے حدیث کے ایک راوی محمد بن اسحاق کو کذاب (بہت بڑا جھوٹا) قرار دیا ہے۔اس پر مولانا ارشاد الحق اثری امام یحییٰ بن معینؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں غالبا انہوں (یعنی امام مالک ناقل) نے کلام میں غلطی (خطاء) کی بنا پر کذاب کہا ہے۔(توضیح الکلام 240/1)

کیا غیر مقلدین ابراہیم ابوشیبہ کے ساتھ یہی انصاف کریں گے ؟؟

ثالثا:

بالفرض اگر مان بھی لیا جائے کہ کذب یہاں اپنے اصلی معنیٰ (جھوٹ) میں ہی مستعمل ہے تو پھر امام شعبہ کی طرف سے ابوشیبہ پر یہ ایک جرح ہے لیکن امام شعبہ کا اس سے روایت لینا اس کی توثیق ہے (جیسا کہ غیر مقلدین کے حوالے سے گزر چکا ہے) اور مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں: ایک ہی امام کے قول میں اختلاف ہو تو ترجیح توثیق کو ہوتی ہے۔ (توضیح الکلام 523/1)

پس بالفرض اگر امام شعبہ نے ابوشیبہ کی تکذیب بھی کی ہے تو اس سے روایت لے کر اس کی توثیق کر دی۔ لہذا ان کی توثیق کرنا ان کے جرح کرنے پر راجح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

5۔ مولانا نزیر رحمانی صاحب علامہ زیلعیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں: ابن عدی نے اس (ابرہیم ابوشیبہ) کو لین کہا ہے۔ (انوار المصابیح ص 170) اب لین کا لفظ الفاظ جرح میں کس درجہ کا ہے؟؟؟ اس کا جواب خود مولانا رحمانی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔ چنانچہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں: محدثین نے فیہ لین اور لین الحدیث کو بہت ہلکے اور معمولی درجہ کے الفاظ جرح میں شمار کیا ہے۔ (انوار المصابیح ص 115) نیز لکھتے ہیں: معلوم ہوا کہ جس راوی کے متعلق فیہ لین یا لین الحدیث کہا ہو اس کی روایت قابل جرح و ترک نہیں ہے۔ (نوار المصابیح ص 170)

قارئین :

یہ ہیں ابوشیبہ پر کی گئی مبہم اور غیر متعلق جرحیں جو خود غیر مقلدین کے ہاں بھی قابل قبول نہیں۔ اور اس آخری جرح سے تو یہ معلوم ہو گیا کہ ابوشیبہ اگرچہ مجروح اور کمزور راوی ہے لیکن یہ اتنا بھی کمزور نہیں کہ اس کی حدیث کو ترک کر دیا جائے لیکن اس کے باوجود غیر مقلدین کا تعصب اور ان کی بے انصافی ملاحظہ کریں کہ جو جرحیں خود ان کے نزدیک بھی ناقابل قبول ہیں، ان ہی کے بل بوتے وہ ابوشیبہ کو کس طرح سے سخت سے سخت ضعیف قرار دیکر اس کی یہ بیس تراویح والی روایت کو موضوع تک قرار دینے سے نہیں چوکتے، اس کی وجہ محض یہ ہے کہ یہ روایت ان کے مذہب کے خلاف ہے لیکن یہی راوی ابوشیبہ جب ان کے مذہب کے موافق کوئی روایت نقل کرتا ہے تو پھر ابوشیبہ نہ تو ضعیف ہے اور نہ اس کی روایت موضوع ہے۔ والی اللہ المشتکیٰ۔ مثلا مشہور غیر مقلد لکھاری مولانا صادق سیالکوٹی صاحب کی کتاب صلوۃ الرسول غیر مقلدین کے درمیان نہایت مشہور اور معتبر کتاب سمجھی جاتی ہے اور یہ کتاب غیر مقلدین کے تمام اکابر (مولانا داؤد غزنوی۔ مولانا اسماعیل سلفی۔ مولانا عبداللہ امرتسری۔ مولانا نور حسین گرجاکھی۔ مولانا احمد دین لتھا گھگڑوی اور مولانا محمد گوندلوی وغیرہ کی مصدقہ ہے۔ اس کتاب میں سیالکوٹی نے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کی دلیل کے طور پر ابن ماجہ کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے۔ (صلوۃ الرسول ص 434) حالانکہ یہ روایت بھی ترمذی اور ابن ماجہ میں اسی ابوشیبہ سے مروی ہے لیکن پھر بھی مولانا سیالکوٹی صاحب بڑے طمطراق سے اس روایت سے استدلال کر رہے ہیں اور خود انہوں نے بھی اور ان کی کتاب کے تمام مصدقین نے بھی اس روایت کے راوی ابوشیبہؒ کے ضعف کی طرف ادنی سا اشارہ بھی نہیں کیا۔ یہ ہے غیر مقلدین کا انصاف۔

ع ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

بہر حال ہمیں یہ تسلیم ہے کہ ابوشیبہ مجروح راوی ہے لیکن اس کی روایت کو موضوع کہنا اور بالکل رد کر دینا یہ بے انصافی ہے۔ اگر یہ ہماری بات تسلیم نہ ہو تو آیئے

اہلسنت والجماعت اور غیر مقلدین دونوں کی مسلمہ شخصیت اور غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نزیر حسین دہلوی صاحب کے استاذ الاستاذ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ کی بات کو مان لیا جائے۔ چنانچہ شاہ صاحب اپنے فتاوی میں اسی بیس تراویح والی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔امام بہیقی این روایت را تضعیف نمودہ بعلت آنکہ راوی ایں حدیث جد ابی بکر ابی شیبہ است حالانکہ جد ابی بکر ابی شیبہ آں قدر ضعف ندارد کہ روایت او مطروح ساختہ شود۔(فتاویٰ عزیزیہ 119/1)

بہیقی نے اس روایت کو اس بنا پر ضعیف قرار دیا ہے کہ اس روایت کا ایک راوی ابو شیبہ جو ابو بکر بن ابی شیبہ کا دادا ہے ضعیف ہے حالانکہ ابو بکر ابن ابی شیبہ کا دادا اس قدر ضعیف نہیں کہ اس کی روایت کو مسترد کر دیا جائے۔

یہ ہے اس شخصیت کا فیصلہ جس کو خود غیر مقلدین بھی اپنا پیشوا مانتے ہیں۔

ضد چھوڑیئے بر سر انصاف آیئے
انکار ہی رہے گا میری جان کب تلک

جواب ثانی:

اس حدیث کی سند کو اگرچہ کتنا ہی ضعیف مان لیا جائے لیکن بہر حال یہ بات ضرور ہے کہ اس حدیث کا متن بالکل صحیح اور قابل عمل ہے (جس طرح حدیث کی سند کا صحیح ہونا اس کے متن کی صحت کو مستلزم نہیں کما قالہ المبارکپوری فی ابکار المنن ص 28۔اسی طرح سند کا ضعیف ہونا بھی اس کے متن کے ضعف کو مستلزم نہیں چنانچہ مولانا عبد الرحمان مبارکپوری امام ترمذی کے قول ھذا الحدیث لا یصح من قبل اسنادہ (یہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے) کے تحت لکھتے ہیں ای من جھۃ اسنادہ وان کان صحیحا باعتبار معناہ۔ تحفۃ الاحوذی 146/1۔یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اگرچہ اس کا معنیٰ (مضمون) صحیح ہے۔ معلوم ہوا کہ کوئی حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہونے کے باوجود مضمون کے لحاظ سے صحیح ہو سکتی ہے جیسا کہ یہ مذکورہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ ہے) کیونکہ اس حدیث تلقی بالقبول حاصل ہے کہ تمام امت نے بالاتفاق اس کے مضمون (بیس رکعات تراویح) کو عملی طور پر قبول کیا ہے۔ خصوصا حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور مسعود میں اس حدیث کو شرف قبولیت حاصل رہا ہے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے مضمون پر اجماع اور اتفاق کیا ہے۔یہ بات خود غیر مقلدین کے اکابر کو بھی تسلیم ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے رئیس المحققین نواب صدیق حسن خان صاحب یہ حقیقت بے چوں وچرا تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وقد عدوا ما وقع فی زمن عمر کالاجماع (عون الباری 317/1) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جو طریقہ بیس تراویح کا رائج ہوا اس کو علماء نے مثل اجماع کے شمار کیا ہے۔ مولانا وحید الزماں غیر مقلد رقم طراز ہیں: کوئی یہ وہم نہ کرے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے (تراویح کی جماعت مقرر کر کے۔ناقل) دین میں ایک بات شریک کر دی جسکا اختیار ان کو نہ تھا۔اسی طرح بیس رکعات تراویح کا حکم اپنی رائے سے دے دیا۔

حاشا وکلا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسا کرتے بلکہ انہوں نے طریقہ نبوی ﷺ کا اتباع کیا۔ آنحضرت ﷺ کی حیات میں ایک ہی امام کے پیچھے سب نے تراویح پڑھی۔ایک مسجد میں متعدد جماعتیں ایک ہی وقت آنحضرت ﷺ کے عھد میں کبھی نہیں ہوئیں۔اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ضرور آنحضرت ﷺ کو بیس رکعتیں تراویح کی پڑھتے ہوئے دیکھا ہو گا۔ گو ہم تک یہ روایت بہ سند صحیح نہیں پہنچی۔اس کی سند میں ابو شیبہ ابرہیم بن عثمان منکر الحدیث ہے۔ مگر حضرت عمر

رضی اللہ عنہ کا زمانہ اس سے بہت پہلے تھا۔ان کو بہ سند صحیح یہ پہنچ گئی ہو گی یا انہوں نے خود دیکھا ہو گا۔(لغات الحدیث مادہ وزغ)

مولانا میاں غلام رسول صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ائمہ اربعہ اور مسلمانوں کی عظیم جماعت کا عمل یہ ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے لیکر اس وقت تک مشرق و مغرب میں تئیس 23)بیس20 تراویح اور تین 3 وتر)ہی پڑھتے ہیں،(رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع ص28

)ان اقتباسات سے معلوم ہوا کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہونے کے باوجود تعامل اور توارث سے مؤید ہے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امت مسلمہ کی طرف سے اس کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور یہ طے شدہ اصول ہے کہ جس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے وہ سند کے اعتبار سے کتنی ہی ضعیف کیوں نہ ہو پھر بھی وہ قابل عمل اور قابل حجت ہوتی ہے۔چنانچہ مولانا ثناءاللہ امر تسری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: بعض ضعف ایسے بھی ہیں جو امت کی تلقی بالقبول سے رفع ہو گئے ہیں۔(اخبار اہلحدیث 19 اپریل 1907 بحوالہ رکعات تراویح ص 61)

فتاوی علمائے حدیث میں ہے۔ضعیف حدیث جبکہ قرون مشہود لھا بالخیر (خیر القرون۔ناقل)میں معمول بہ ہو وہ امت کے ہاں مقبول ہے۔(فتاوی علمائے حدیث 74/6)نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: اگر کوئی حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف بھی ہو لیکن اس کے مضمون پر پوری امت کا عمل ہو تو اس حدیث پر عمل کرنا ضروری ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اس کو ضعیف کہنے والے علماء بھی اس پر عمل کرتے ہیں۔(الروضۃ الندیہ ص 6)

علامہ ابن حزم ظاہری غیر مقلد لکھتے ہیں: جب کوئی مرسل حدیث ہو یا کوئی ایسی حدیث ہو جس کے راوی میں ضعف ہو اور ہم دیکھیں کہ سب لوگوں کا اس پر اجماع ہے اور سب اس کے قائل ہیں تو یقیناہم یہ جان لیں گے کہ وہ حدیث صحیح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔(توجیہ النظر ص 50 بحوالہ تسکین الصدور ص 33)

قاضی محمد شوکانی غیر مقلد ایک حدیث کی تحقیق میں امام خطابیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں: یہ ایسی حدیث ہے کہ اس کے قبول کرنے پر فقہاء نے بالاتفاق اس حدیث کو قبول کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی کوئی اصل ہے اگرچہ اس کی سند میں کلام ہے جیسا کہ فقہاء نے لاوصیۃ لوارث والی روایت کو قبول کر کے اس سے احکام مستنبط کیے ہیں حالانکہ اس کی سند میں جو ضعف ہے وہ ظاہر ہے۔(نیل الاوطار 238/5)

مولانا اسماعیل سلفی صاحب غیر مقلد (سابق ناظم اعلیٰ جمعیت اہل حدیث)ابن ماجہ کی ایک ضعیف روایت کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وقد قبل جمہور الامۃ روایۃ ابن ماجہ مع ضعفھا۔ابن ماجہ کی اس حدیث کو ضعیف ہونے کے باوجود جمہور امت نے قبول کیا ہے۔(حرکۃ انطلاق الفکری ص 441)پس جب اکابرین غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور ان کو یہ بھی اقرار ہے کہ اگر کوئی حدیث ضعیف بھی ہو تو تلقی بالقبول کی وجہ سے اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے۔لہذا یہ حدیث خود غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں بھی بالکل صحیح اور قابل عمل ہے

بعض غیر مقلدین تو ابو شیبہ کی روایات کو موضوع تک قرار دیتے ہیں جبکہ غیر مقلدین کا ابرہیم ابو شیبہ کی روایات کو موضوع کہنا باطل ہے۔اولا۔آج تک کسی بھی معتبر اور ثقہ محدث نے اس کو موضوع نہیں کہا ورنہ دلیل پیش کی جائے۔دیدہ باید۔ثانیا۔ابو شیبہ کی کم از کم ایک روایت ترمذی میں بھی موجود ہے اور غیر مقلدین کے مشہور محقق مولانا عبدالرحمان مبارکپوری صاحب نے تصریح کی ہے کہ ترمذی میں ایک بھی موضوع حدیث نہیں۔چنانچہ فرماتے ہیں: قلت الاحادیث الضعاف موجودۃ فی جامع الترمذی وقد بین الترمذی نفسہ ضعفھا وابان علتھا واما وجود الموضوع فیہ فکلا ثم کلا۔میں کہتا ہوں کہ ضعیف حدیثیں ترمذی میں موجود ہیں اور خود ترمذی نے ان کا ضعف بیان کیا ہے اور ان کی علت کو ظاہر کیا ہے۔باقی رہا اس میں موضوع حدیث کا وجود تو وہ ہر گز ہر گز نہیں ہے۔پس جب ترمذی میں ایک بھی حدیث موضوع نہیں ہے تو پھر ابو شیبہ کی احادیث کیسے موضوع ہیں حالانکہ اس کی حدیث بھی ترمذی میں موجود ہے۔(تحفۃ الاحوذی 181/1)

حدیث ابن عباس سے علماء کا استدلال

علامہ ابن الجوزی الحنبلیؒ الوفاء باحوال المصطفیٰ ص560 میں بیس رکعات نماز تراویح کے ثبوت کیلئے حدیث ابن عباس پیش فرماتے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا قیام رمضان بیس رکعت تھا کما جاء فی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ جیسا کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ میں موجود ہے۔(تحفۃ الاخیار ص 211)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویا لحنفیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ صحیح وسالم ہے،اور قابل عمل ہے کیونکہ فعل صحابہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔(فتاویٰ عزیزی ص 452)

علامہ ابن قدامہ الحنبلیؒ فرماتے ہیں کہ بیس رکعات نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے،واول من سنہ رسول اللہ ﷺ ونسبت الی عمر لانہ جمع الناس علی ابی بن کعب۔سب سے پہلے اسے آنحضرت ﷺ نے سنت قرار دیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اس کی نسبت صرف اتنی ہے کہ انہوں نے قوم کو(ایک امام) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع کر دیا۔(مغنی ابن قدامہ جلد 1 ص 800)

یہاں تک کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں: التراویح عشرون رکعۃ سنۃ مؤکدۃ ولم یخرجہ عمر من تلقاء نفسہ۔بیس رکعات تراویح سنت موکدہ ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے ایجاد نہیں کیں۔(فیض الباری جلد 2 ص 42)

گویا رکعات تراویح کیلئے اسلاف کا حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے استدلال موجود ہے۔اور ہم نے یہ بھی ثابت کیا کہ بعض ائمہ نے ابرہیم کی توثیق بھی کی ہے جیسے ابن عدیؒ اور امام بخاری کے استاد کے حوالہ سے ہم بیان کر چکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں پیچھے ہی دیکھ لیا جائے۔لیکن یہ بات ہم بار بار واضح کرنا چاہیں گے کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہمارا استدلال صحت سند کی بنیاد پر نہیں بلکہ امت کے تلقی بالقبول کی بنیاد پر ہے۔غیر مقلدین میں اگر اخلاقی جرات ہے تو وہ اس اعتبار سے اس روایت کی تردید کریں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ھل منکم رجل رشید؟؟؟

دلیل نمبر 2:

روی الامام المورخ أبو القاسم حمزۃ بن یوسف السھمی الجرجانی (م 427ھ): حدثنا أبو الحسن علی بن محمد بن أحمد القصری الشیخ الصالح رحمہ اللہ حدثنا عبد الرحمن بن عبد المؤمن العبد الصالح قال أخبرنی محمد بن حمد الرازی حدثنا عمر بن ھارون حدثنا إبراھیم بن الحناز عن عبد الرحمن عن عبد الملک بن عتکی عن جابر بن عبد اللہ قال خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ فی رمضان فصلی الناس أربعۃ وعشرین رکعۃ وأوتر بثلاثۃ

اسنادہ حسن ورواتہ ثقات۔

(تاریخ جرجان للسہمی ص 317، فی نسخۃ 142)

فائدہ:اس روایت میں چار رکعت فرض، بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر کا ذکر ہے۔

اعتراض :

اس میں دو راوی ہیں؛ محمد بن حمید الرازی اور عمر بن ہارون البلخی اور دونوں ضعیف ہیں۔

جواب:

یہ حسن الحدیث درجہ کے راوی ہیں۔

محمد بن حمید الرازی:(م248ھ)

آپ ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ، کے راوی ہیں۔

(تہذیب التھذیب ج:5ص:547)

اگرچہ بعض محدثین سے جرح منقول ہے لیکن بہت سے جلیل القدر ائمہ محدثین نے آپ کی تعدیل و توثیق اور مدح بھی فرمائی ہے مثلا

1۔امام احمد بن حنبل: وثقہ (ثقہ قرار دیا)۔

(طبقات الحفاظ للسیوطی ج:1ص:40)

اور ایک بار فرمایا "لا یزال بالری علم مادام محمد بن حمید حیاً"۔(جب تک محمد بن حمید زندہ ہیں مقام ری میں علم باقی رہے گا)

(تہذیب الکمال للمزی ج:8ص:652)

2۔امام یحی بن معین: ثقہ، لیس بہ باس، رازی کیس [ثقہ ہے اس احادیث پر کوئی کلام نہیں، سمجھ دار ہے] (ایضاً)

3۔امام جعفر بن عثمان الطیالسی: ثقہ۔(تہذیب الکمال ج:8ص:653

4۔علامہ ابن حجر: الحافظ [حافظ ہے]۔

(تہذیب التھذیب ج:5ص:547)

5۔علامہ ہیثمی ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: " وفی اسناد بزار محمد بن حمید الرازی وھو ثقۃ" [بزاز کی سند میں محمد بن حمید الرازی ہے اور وہ ثقہ ہے]۔

(مجمع الزوائد ج:9ص:475)

چونکہ اس پر کلام ہے اور اس کی توثیق بھی کی گئی ہے، لہذا اصولی طور پر یہ حسن درجہ کا راوی ہے۔

عمر بن ہارون البلخی: (م294ھ)

آپ ترمذی اور ابن ماجہ کے راوی ہیں۔ بعض حضرات نے جرح کی ہے لیکن بہت سے ائمہ نے آپ کی تعدیل و توثیق اور مدح و ثناء میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہیں

"الحافظ، الامام، المکثر، عالم خراسان، من اوعیۃ العلم" [علم کا خزانہ تھے] کثیر الحدیث، وار تحل [حصول علم کے اسفار کئے] ثقہ، مقارب الحدیث۔

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج:1 ص:249،248، سیر اعلام النبلاء ج:7 ص:148تا152، تہذیب التہذیب ج:4 ص:315تا317)

لہذا اصولی طور پر آپ حسن الحدیث درجہ کے راوی ہیں۔

حدیث نمبر 3: انہ ﷺ صلی بالناس عشرین رکعۃ لیلتین فلما کان فی اللیلۃ الثالثۃ اجتمع الناس فلم یخرج الیہم، ثم قال من الغد وخشیت ان تفرض علیکم فلا تطیقوھا متفق علی صحتہ۔ (تلخیص الحبیر ج 1 ص 21 المکتبہ الاثریہ)

ترجمہ: آپ ﷺ نے صحابہ کو بیس رکعات تراویح دو راتیں پڑھائیں پس جب تیسری رات ہوئی تو صحابہ کرام جمع ہو گئے آپ ﷺ باہر تشریف نہیں لائیں پھر آپ ﷺ نے دوسرے دن فرمایا مجھے اس بات کا ڈر ہوا کہ تم پر یہ نماز (تراویح) فرض نہ کر دی جائے پس تم اس کی طاقت نہ رکھو۔

.....

20 رکعات نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے

نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ نمازِ تراویح فرض نہیں؛ بلکہ سنت موکدہ ہے۔ البتہ ۱۴۰۰ سال سے جاری عمل کے خلاف بعض حضرات ۲۰ رکعت نمازِ تراویح کو بدعت یا خلافِ سنت قرار دینے میں ہر سال رمضان اور رمضان سے قبل اپنی صلاحیتوں کا بیشتر حصہ صرف کرتے ہیں، جس سے امت مسلمہ کے عام طبقہ میں انتشار پیدا ہوتا ہے؛ حالانکہ اگر کوئی شخص ۸ کی جگہ ۲۰ رکعت پڑھ رہا ہے تو یہ اس کے لیے بہتر ہی تو ہے؛ کیونکہ قرآن و حدیث کی روشنی میں ساری امت مسلمہ متفق ہے کہ رمضان کی راتوں میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنی چاہیے، نیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت سے امت مسلمہ جماعت کے ساتھ ۲۰ ہی رکعات تراویح پڑھتی آئی ہے، حرمین (مسجد حرام اور مسجد نبوی) میں آج تک کبھی بھی ۸ رکعات تراویح نہیں پڑھی گئیں۔

اس موضوع سے متعلق احادیث کا جتنا بھی ذخیرہ موجود ہے، کسی بھی ایک صحیح، معتبر، اور غیر قابل نقد و جرح حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے تراویح کی تعداد رکعت کا واضح ثبوت نہیں ملتا ہے، اگرچہ بعض احادیث میں جن کی سند میں یقیناً کچھ ضعف موجود ہے ۲۰ رکعت کا ذکر ملتا ہے۔

خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر جماعت کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام ہوا، جیسا کہ محدثین، فقہاء، مؤرخین اور علماء کرام نے تسلیم کیا ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں جمع کیا تو وہ بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔ حضرت عمر فاروق ان خلفاء راشدین میں سے ہیں، جن کی بابت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو اور اسی کو ڈاڑھوں سے مضبوطی سے پکڑے رکھو۔ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ڈاڑھوں کا ذکر اس لیے کیا کہ ڈاڑھوں کی گرفت مضبوط ہوتی ہے، لہٰذا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام عینِ سنت ہے۔ (فتاوی ابن تیمیہ ج ۲ ص ۴۰۱، ج ۲۲ ص ۴۳۴)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۵۷ یا ۵۸ ہجری میں ہوئی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ۱۵ ہجری میں تراویح کی جماعت حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں باقاعدہ شروع فرمائی، اگر بیس رکعات تراویح کا عمل بدعت ہوتا تو ۴۲ سال کے طویل عرصہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا آٹھ رکعت والی حدیث کو بیس رکعت پڑھنے والوں کے خلاف پیش کرنا ثابت ہوتا؛ حالانکہ ایسا نہیں ہوا، بلکہ سعودی عرب کے نامور عالم، مسجد نبوی کے مشہور مدرس اور مدینہ منورہ کے (سابق) قاضی الشیخ عطیہ محمد سالمؒ (متوفی ۱۹۹۹) نے نماز تراویح کی چودہ سو سالہ تاریخ پر عربی زبان میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت سے آج تک حرمین (مسجد حرام اور مسجد نبوی) میں کبھی بھی ۲۰ سے کم تراویح نہیں پڑھی گئیں۔

تراویح کے معنی:

بخاری شریف کی مشہور و معروف شرح لکھنے والے حافظ ابن حجر العسقلانیؒ نے تحریر کیا ہے کہ تراویح، ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ کے معنی: ایک دفعہ آرام کرنا ہے، جیسے تسلیمہ کے معنی ایک دفعہ سلام پھیرنا۔ رمضان المبارک کی راتوں میں نمازِ عشاء کے بعد باجماعت نماز کو تراویح کہا جاتا ہے، کیونکہ صحابہ کرام کا اتفاق اس امر پر ہو گیا کہ ہر دو سلاموں (یعنی چار رکعت) کے بعد کچھ دیر آرام فرماتے تھے۔ (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب صلاۃ التراویح)

نماز تراویح کی فضیلت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص رمضان (کی راتوں) میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے (عبادت کے لیے) کھڑا ہو، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم) ثواب کی امید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ شہرت اور دکھاوے کے لیے نہیں؛ بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے عبادت کی جائے۔

نماز تراویح کی تعدادِ رکعت:

تراویح کی تعدادِ رکعت کے سلسلہ میں علماء کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ تراویح پڑھنے کی اگرچہ بہت فضیلت احادیث میں وارد ہوئی ہے؛ لیکن فرض نہ ہونے کی وجہ سے تراویح کی تعدادِ رکعت میں یقیناً گنجائش ہے۔ جمہور محدثین اور فقہاء کی رائے ہے کہ تراویح ۲۰ رکعات پڑھنی چاہئیں۔ تراویح کی تعدادِ رکعت میں علماء کرام

کے درمیان اختلاف کی اصل بنیاد یہ ہے کہ تراویح اور تہجد ایک نماز ہے یا دو الگ الگ نمازیں۔ جمہور محدثین، فقہائے کرام نے اِن دونوں نمازوں کو الگ الگ نماز قرار دیا ہے، اُن کے نقطۂ نظر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا تعلق تہجد کی نماز سے ہے، جس میں انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور رمضان کے علاوہ گیارہ رکعت سے زائد نماز نہیں پڑھتے تھے۔ جس کے انہوں نے مختلف دلائل دیے ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں:

۱) امام بخاریؒ نے اپنی مشہور کتاب (بخاری) میں نمازِ تہجد کا ذکر (کتاب التہجد) میں؛ جبکہ نماز تراویح کو (کتاب صلاۃ التراویح) میں ذکر کیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا کہ دونوں نمازیں الگ الگ ہیں، جیسا کہ جمہور علماء اور ائمہ اَربعہ نے فرمایا ہے، اگر دونوں ایک ہی نماز ہوتی تو امام بخاریؒ کو دو الگ الگ باب باندھنے کی کیوں ضرورت محسوس ہوتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کتاب التہجد میں ذکر فرما کر امام بخاریؒ نے ثابت کر دیا کہ اس حدیث کا تعلق تہجد کی نماز سے ہے۔

۲) تراویح صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہے، اور اِس حدیث میں ایسی نماز کا ذکر ہے جو رمضان کے علاوہ بھی پڑھی جاتی ہے۔

۳) اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کا تعلق تراویح کی نماز سے ہے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب باضابطہ جماعت کے ساتھ ۲۰ رکعت تراویح کا اہتمام ہوا تو کسی بھی صحابی نے اِس پر کوئی تنقید کیوں نہیں کی؟ (دنیا کی کسی کتاب میں، کسی زبان میں بھی، کسی ایک صحابی کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ۲۰ رکعت تراویح کے شروع ہونے پر کوئی اعتراض مذکور نہیں ہے) اگر ایسی واضح حدیث تراویح کی تعداد کے متعلق ہوتی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کیسے ہمت ہوتی کہ وہ ۸ رکعت تراویح کی جگہ ۲۰ رکعت تراویح شروع کر دیتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو ایک ذرا سی چیز میں بھی آپ ﷺ کی تعلیمات کی مخالفت برداشت نہیں کرتے تھے۔ اور نبی اکرم ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنے کا جذبہ یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہم سے بہت زیادہ تھا؛ بلکہ ہم (یعنی آج کے مسلمان) صحابہ کی سنتوں پر عمل کرنے کے جذبہ سے اپنا کوئی مقارنہ بھی نہیں کر سکتے۔ نیز نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ہم خلفاء راشدین کی سنتوں کو بھی مضبوطی سے پکڑ لیں۔ (ابن ماجہ)

۴) اگر اس حدیث کا تعلق واقعی تراویح کی نماز سے ہے (اور تہجد و تراویح ایک نماز ہے) تو رمضان کے آخری عشرہ میں نمازِ تراویح پڑھنے کے بعد تہجد کی نماز کیوں پڑھی جاتی ہے؟

۵) اس حدیث کا تعلق تہجد کی نماز سے ہے، جیسا کہ محدثین نے اس حدیث کو تہجد کے باب میں نقل کیا ہے، نہ کہ تراویح کے باب میں۔ (ملاحظہ ہو: مسلم ج ۱ ص ۱۵۴، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۶، ترمذی ج ۱ ص ۵۸، نسائی ج ۱ ص ۱۵۴، مؤطا امام مالک ص ۴۲) ۔

علامہ شمس الدین کرمانیؒ (شارح بخاری) تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تہجد کے بارے میں ہے اور حضرت ابو سلمہؒ کا مذکورہ بالا سوال اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب تہجد کے متعلق تھا۔ (الکوکب الدراری شرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۵۵۔۱۵۶)

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ گیارہ رکعت (وتر کے ساتھ) پڑھتے تھے وہ تہجد کی نماز تھی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تہجد کی نماز پر محمول ہے جو رمضان اور غیر رمضان میں برابر تھی۔ (مجموعہ فتاوی عزیزی ص

نمازِ تراویح نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (رمضان کی) ایک رات مسجد میں نماز تراویح پڑھی۔ لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر دوسری رات کی نماز میں شرکاء زیادہ ہوگئے، تیسری یا چوتھی رات آپ ﷺ نماز تراویح کے لیے مسجد میں تشریف نہ لائے اور صبح کو فرمایا کہ میں نے تمہارا شوق دیکھ لیا اور میں اس ڈر سے نہیں آیا کہ کہیں یہ نماز تم پر رمضان میں فرض نہ کر دی جائے۔ (مسلم، الترغیب فی صلاۃ التراویح).....ان دو یا تین رات کی تراویح کی رکعات کے متعلق کوئی تعداد احادیثِ صحیحہ میں مذکور نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قیام رمضان کی ترغیب تو دیتے تھے؛ لیکن وجوب کا حکم نہیں دیتے۔ آپ ﷺ فرماتے کہ جو شخص رمضان کی راتوں میں نماز (تراویح) پڑھے اور وہ ایمان کے دوسرے تقاضوں کو بھی پورا کرے اور ثواب کی نیت سے یہ عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہ معاف فرمادیں گے۔ رسول اللہ کی وفات تک یہی عمل رہا، دورِ صدیقی اور ابتداء عہد فاروقی میں بھی یہی عمل رہا۔ (مسلم۔ الترغیب فی صلاۃ التراویح)

صحیح مسلم کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی حیات میں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور خلافت میں نماز تراویح جماعت سے پڑھنے کا کوئی اہتمام نہیں تھا، صرف ترغیب دی جاتی تھی؛ البتہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یقیناً تبدیلی ہوئی ہے، اس تبدیلی کی وضاحت مضمون میں محدثین اور فقہائے کرام کی تحریروں کی روشنی میں آرہی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت (جس میں انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور رمضان کے علاوہ گیارہ رکعت سے زائد نماز نہیں پڑھتے تھے) میں لفظِ تراویح کا ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا اس حدیث کا تعلق تہجد کی نماز سے ہے؛ کیونکہ محدثین نے اس حدیث کو تہجد کے باب میں نقل کیا ہے، نہ کہ تراویح کے باب میں۔ (ملاحظہ ہو: مسلم ج ۱ ص ۱۵۴، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۶، ترمذی ج ۱ ص ۵۸، نسائی ج ۱ ص ۱۵۴، مؤطا امام مالک ص ۴۲) اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان محدثین کے نزدیک یہ حدیث تہجد کی نماز سے متعلق ہے نہ کہ تراویح سے۔

امام محمد بن نصر مروزیؒ نے اپنے مشہور کتاب (قیام اللیل، ص ۹۱ اور ۹۲) میں قیام رمضان کا باب باندھ کر بہت سی حدیثیں اور روایتیں نقل فرمائی ہیں؛ مگر مذکورہ بالا حدیثِ عائشہ نقل نہیں فرمائی؛ اس لیے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث تراویح کے متعلق ہے ہی نہیں۔

علامہ ابن قیمؒ نے اپنی مشہور و معروف کتاب (زاد المعاد ص ۸۶) میں قیام اللیل (تہجد) کے بیان میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں اس روایت کے متعلق حافظ حدیث امام قرطبیؒ کا یہ قول بھی نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے کہ بہت سے اہل علم حضرات اس روایت کو مضطرب مانتے ہیں۔ (عینی شرح بخاری ج ۷ ص ۱۸۷)

نمازِ تراویح خلفاء راشدین کے زمانے میں:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں کتنی تراویح پڑھی جاتی تھیں، احادیث صحیحہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کوئی واضح عمل مذکور نہیں ہے۔ گویا اس دور کا معمول حسب سابق رہا اور لوگ اپنے طور پر نماز تراویح پڑھتے رہے، غرضے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت (یعنی دور رمضان) میں نماز تراویح باقاعدہ جماعت کے ساتھ ایک مرتبہ بھی ادا نہیں ہوئی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب اپنے عہد خلافت میں لوگوں کو دیکھا کہ تنہا تنہا تراویح کی نماز پڑھ رہے ہیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں جمع کیا، اور عشاء کے فرائض کے بعد وتروں سے پہلے باجماعت ۲۰ رکعت نماز تراویح میں قرآن کریم مکمل کرنے کا باضابطہ سلسلہ شروع کیا۔

حضرت عبدالرحمن قاریؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ رمضان میں مسجد میں گیا تو دیکھا کہ لوگ مختلف گروپوں میں علیحدہ علیحدہ نماز تراویح پڑھ رہے ہیں، کوئی اکیلا پڑھ رہا ہے اور کسی کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی شریک ہیں، اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ واللہ! میرا خیال ہے کہ اگر ان سب کو ایک امام کی اقتداء میں جمع کر دیا جائے تو بہت اچھا ہے اور سب کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں جمع کر دیا۔۔۔ حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ پھر جب ہم دوسری رات نکلے اور دیکھا کہ سب لوگ ایک ہی امام کی اقتداء میں نماز تراویح ادا کر رہے ہیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بڑا اچھا طریقہ ہے اور مزید فرمایا کہ ابھی تم رات کے جس آخری حصہ (تہجد) میں سو جاتے ہو، وہ اس (تراویح) سے بھی بہتر ہے جس کو تم نماز میں کھڑے ہو کر گزارتے ہو۔ (موطا امام مالکؒ، باب ماجاء فی قیام رمضان)

حضرت یزید بن رومانؒ فرماتے ہیں کہ لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۲۳ رکعت (۲۰ تراویح اور ۳ وتر) ادا فرماتے تھے۔ (موطا امام مالکؒ، باب ماجاء فی قیام رمضان، ص ۹۸)

علامہ بیہقیؒ نے کتاب المعرفہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں ہم ۲۰ رکعت تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے۔ امام زیلعیؒ نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (نصب الرای ج ۲ ص ۱۵۴)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں حکم دیا کہ رمضان کی راتوں میں نماز پڑھائیں؛ چنانچہ فرمایا کہ لوگ سارا دن روزہ رکھتے ہیں اور قراءت اچھی طرح نہیں کر سکتے۔ اگر آپ رات کو انہیں (نماز میں) قرآن سنائیں تو بہت اچھا ہو گا۔ پس حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے انہیں ۲۰ رکعتیں پڑھائیں۔ (مسند احمد بن منیع بحوالہ اتحاف الخیرۃ المہرۃ للبوصیری علی المطالب العالیہ ج ۲ ص ۴۲۴)

موطا امام مالک میں یزید بن خصیفہؒ کے طریق سے سائب بن یزیدؓ کی روایت ہے کہ عہد فاروقی میں بیس رکعت تراویح تھیں۔ (فتح الباری لابن حجر ج ۴ ص ۳۲۱، نیل الاوطار للشوکانی ج ۲ ص ۵۱۴)

حضرت محمد بن کعب القرظیؒ (جو جلیل القدر تابعی ہیں) فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ (قیام اللیل للمروزی ص ۱۵۷)

حضرت یحییٰ بن سعیدؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے۔(مصنف بن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت پر جمع فرمایا۔ وہ لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح پڑھاتے تھے۔(ابوداؤد ج ۱ ص ۲۱۱، باب القنوت والوتر)

حضرت سائب بن یزیدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں تین رکعت (وتر) اور بیس رکعت (تراویح) پڑھی جاتی تھیں۔(مصنف عبد الرزاق ج ۴ ص ۲۰۱، حدیث نمبر ۷۷۶۳)

حضرت سائب بن یزیدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہم ۲۰ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے، اور قاری صاحب سو سو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور لمبے قیام کی وجہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں لاٹھیوں کا سہارا لیتے تھے۔(السنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

حضرت ابوالحسناءؒ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھائے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

حضرت ابو عبدالرحمن السلمیؒ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا۔ پھر ان میں سے ایک قاری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خود انہیں وتر پڑھاتے تھے۔(السنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

نمازِ تراویح سے متعلق صحابہ وتابعین کا عمل:

حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا معمول بھی بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھنے کا تھا۔(قیام اللیل للمروزی ص ۱۵۷)

حضرت حسن بصریؒ حضرت عبدالعزیز بن رفیعؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

حضرت عطا بن ابی رباحؒ (جلیل القدر تابعی، تقریباً ۲۰۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی ہے) فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں (صحابہ) کو بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے پایا ہے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

حضرت ابراہیم نخعیؒ (جلیل القدر تابعی، کوفہ کے مشہور و معروف مفتی) فرماتے ہیں کہ لوگ رمضان میں پانچ ترویحہ سے بیس رکعت پڑھتے تھے۔(کتاب الآثار

بروایت ابی یوسف ص ۴۱)

حضرت شیتر بن شکلؒ (نامور تابعی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد) لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔ (السنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

حضرت ابوالبختریؒ (اہل کوفہ میں اپنا علمی مقام رکھتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کے شاگرد)۔ آپ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ رمضان میں پانچ ترویحہ سے بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

حضرت سوید بن غفلہؒ (حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی ہے)۔ آپ کے بارے میں ابوالخضیبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سوید بن غفلہؒ رمضان میں پانچ ترویحہ سے بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔ (السنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

حضرت ابن ابی ملیکہؒ (جلیل القدر تابعی، تقریباً تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت سے مشرف ہوئے) آپ کے متعلق حضرت نافع بن عمرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن ابی ملیکہؒ ہمیں رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

نمازِ تراویح سے متعلق اکابرین امت کے اقوال:

امام ابو حنیفہؒ: علامہ ابن رشدؒ لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے ہاں قیام رمضان بیس رکعت ہے۔ (بدایہ المجتہد ج ۱ ص ۲۱۴)

امام فخر الدین قاضی خانؒ لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ رمضان میں ہر رات بیس یعنی پانچ ترویحہ وتر کے علاوہ پڑھنا سنت ہے۔ (فتاوی قاضی خان ج ۱ ص ۱۱۲)

علامہ علاء الدین کاسانی حنفیؒ لکھتے ہیں کہ جمہور علماء کا صحیح قول یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تراویح پڑھانے پر جمع فرمایا تو انہوں نے بیس رکعت تراویح پڑھائی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے اجماع تھا۔ (بدائع الصنائع)

امام مالکؒ: امام مالکؒ کے مشہور قول کے مطابق تراویح کی ۳۶ رکعت ہیں؛ جبکہ ان کے ایک قول کے مطابق بیس رکعت سنت ہیں۔ علامہ ابن رشد قرطبی مالکیؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ نے ایک قول میں بیس رکعت تراویح کو پسند فرمایا ہے۔ (بدایہ المجتہد ج ۱ ص ۲۱۴)

مسجد حرام میں تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد ترویحہ کے طور پر مکہ کے لوگ ایک طواف کر لیا کرتے تھے، جس پر مدینہ منورہ والوں نے ہر ترویحہ پر چار چار رکعت

نفل پڑھنی شروع کردیں تو اس طرح امام مالکؒ کی ایک رائے میں ۳۶ رکعت (۲۰ رکعت تراویح اور ۱۶ رکعت نفل) ہو گئیں۔

امام شافعیؒ: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے بیس رکعت تراویح پسند ہیں، مکہ مکرمہ میں بیس رکعت ہی پڑھتے ہیں۔ (قیام اللیل ص ۱۵۹) ایک دوسرے مقام پر امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح پڑھتے پایا ہے۔ (ترمذی ج ۱ ص ۱۶۶) علامہ نووی شافعیؒ لکھتے ہیں کہ تراویح کی رکعت کے متعلق ہمارا (شوافع) مسلک وتر کے علاوہ دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعت کا ہے، اور بیس رکعت پانچ ترویحہ ہیں اور ایک ترویحہ چار رکعت کا دو سلاموں کے ساتھ، یہی امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب اور امام احمد بن حنبلؒ اور امام داؤد ظاہری کا مسلک ہے اور قاضی عیاضؒ نے بیس رکعت تراویح کو جمہور علماء سے نقل کیا ہے۔ (المجموع)

امام احمد بن حنبلؒ: فقہ حنبلی کے ممتاز ترجمان علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں: امام ابو عبداللہ (احمد بن حنبلؒ) کا پسندیدہ قول بیس رکعت کا ہے اور حضرت سفیان ثوریؒ بھی یہی کہتے ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں جمع کیا تو وہ بیس رکعت پڑھتے تھے، نیز حضرت امام احمد ابن حنبلؒ کا استدلال حضرت یزید و علی رضی اللہ عنہ کی روایات سے ہے۔ ابن قدامہؒ کہتے ہیں کہ یہ بمنزلہ اجماع کے ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ جس چیز پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم عمل پیرا رہے ہوں، وہی اتباع کے لائق ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ج ۲ ص ۱۳۹، صلاۃ التراویح)

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ جمہور اہل علم کا مسلک وہی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ تراویح میں بیس رکعت ہیں، حضرت سفیان ثوریؒ، ابن مبارکؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل مکہ کو بیس رکعت پڑھتے دیکھا۔ (ترمذی، ماجاء فی قیام شہر رمضان) امام ترمذیؒ نے اس موقع پر تحریر کیا ہے کہ بعض حضرات مدینہ منورہ میں ۴۱ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ لیکن امام ترمذیؒ نے اہل مکہ یا اہل مدینہ میں سے ۸ تراویح پر کسی کا عمل نقل نہیں کیا۔

مسلم شریف کی سب سے مشہور و معروف شرح لکھنے والے علامہ نوویؒ جو ریاض الصالحین کے مصنف بھی ہیں فرماتے ہیں کہ قیام رمضان سے مراد تراویح ہے اور تمام علماء متفق ہیں کہ یہ نماز اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے؛ البتہ اس میں کچھ اختلاف ہے کہ گھر میں اکیلا پڑھنا بہتر ہے یا مسجد میں باجماعت؟ تو امام شافعیؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، بعض مالکی اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ باجماعت پڑھنا بہتر ہے؛ چونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور اس پر مسلسل عمل جاری ہے حتیٰ کہ یہ مسلمانوں کی ظاہری علامات میں سے ایک علامت ہے۔ (شرح مسلم للنووی، ملخص: الترغیب فی قیام رمضان)

نیز علامہ نوویؒ فرماتے ہے کہ جان لو کہ نماز تراویح کے سنت ہونے پر تمام علماء کا اجماع ہے اور یہ بیس رکعت ہیں، جن میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے۔ (الاذکار ص ۸۳)

علامہ عینیؒ (بخاری شریف کی شرح لکھنے والے) تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں تراویح کی بیس رکعت پڑھی جاتی تھیں۔ (عینی ج ۷ ص ۱۷۸)

شیخ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ تراویح بیس رکعتیں ہیں جن کا طریقہ معروف و مشہور ہے اور یہ سنت موکدہ ہے۔(احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۳۲)

شیخ عبد القادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ تراویح نبی اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ ہے اور یہ بیس رکعت ہیں۔(غنیہ الطالبین ص ۲۶۷، ۲۶۸)

مولانا قطب الدین خان محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: اجماع ہوا صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس پر کہ تراویح کی بیس رکعت ہیں۔(مظاہر حق ج ۱ ص ۴۳۶)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی سب سے مشہور و معروف کتاب (حجۃ اللہ البالغہ) میں تحریر کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور تابعینؒ کے زمانہ میں تراویح کی بیس رکعت مقرر ہوئی تھیں؛ چنانچہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ نے قیام رمضان میں تین چیزیں زیادہ کی ہیں:

)۱) مسجدوں میں جمع ہونا؛ کیونکہ اس سے عوام و خواص پر آسانی ہوتی ہے۔

)۲) اس کو شروع رات میں ادا کرنا؛ جبکہ اخیر رات میں پڑھنا زیادہ افضل ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس طرف اشارہ فرمایا۔

)۳) تراویح کی تعداد بیس رکعت۔(حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۶۷)

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان مرحوم بھوپالی نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں جو طریقہ بیس رکعت پڑھانے کا ہوا، اس کو علماء نے اجماع کے مثل شمار کیا ہے۔(عون الباری ج ۴ ص ۳۱۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی مکمل عبارت اور اس کا صحیح مفہوم:

عَنْ اَبِی سَلْمٰی بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّہٗ اَخْبَرَہٗ اَنَّہٗ سَاَلَ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا کَیْفَ کَانَتْ صَلَاۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَیْرِہٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشْرَۃَ رَکْعَۃً یُصَلِّیْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِہِنَّ وَطُوْلِہِنَّ ثُمَّ یُصَلِّیْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِہِنَّ وَطُوْلِہِنَّ ثُمَّ یُصَلِّیْ ثَلَاثًا. قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَتَنَامُ قَبْلَ اَنْ تُوْتِرَ فَقَالَ: یَا عَائِشَۃُ! اِنَّ عَیْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ.. (بخاری، کتاب التہجد)

حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان میں نماز کی کیا کیفیت ہوا کرتی تھی؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے چار رکعت ادا کرتے تھے اور ان کی خوبی اور ان کی لمبائی کے بارے میں مت پوچھو (کہ وہ کتنی خوب اور کتنی لمبی ہوا کرتی تھیں) پھر آپ چار رکعت اسی طرح پڑھا کرتے تھے۔ پھر تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! میری آنکھیں سوتی ہیں، میرا دل نہیں سوتا۔

﴿وضاحت﴾: یادرکھیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کا اصل تعلق تہجد کی نماز سے ہے اور تہجد اور تراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں، یہی جمہور علماء کا مسلک ہے۔

اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت بیان کی گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے خوب لمبے قیام ورکوع وسجدہ والی چار رکعت ادا کرتے تھے پھر خوب لمبے قیام ورکوع وسجدہ والی چار رکعت ادا کرتے تھے، اور پھر تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے۔ حدیث کے الفاظ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سوال اور جواب کا اصل مقصد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت کو بیان کرنا ہے، نہ کہ تعداد رکعت کو۔ بعض حضرات نے تہجد اور تراویح کی نماز کو ایک سمجھ کر حدیث میں وارد گیارہ میں سے آٹھ کے لفظ کو تراویح کے لیے لے لیا؛ لیکن گیارہ رکعت پڑھنے کی کیفیت اور تین رکعت وتر کو نظر انداز کر دیا۔

اگر نمازِ تہجد اور نمازِ تراویح ایک ہی نماز ہے اور تراویح کے آٹھ رکعت ہونے کی یہی حدیث دلیل ہے، تو چاہیے کہ اس حدیث کے تمام اجزاء پر عمل کیا جائے اور اس میں بیان کردہ پوری کیفیت کے ساتھ نماز تراویح ادا کی جائے یا کم از کم اس کے مسنون ہونے کو بیان کیا جائے؛ مگر اس حدیث سے صرف آٹھ کا لفظ تو لے لیا؛ مگر آٹھ رکعت نماز کی کیفیت کو چھوڑ دیا؛ کیونکہ اس میں لمبی لمبی چار چار رکعت پڑھنے کا ذکر ہے اور تین رکعت وتر کا ذکر ہے، نیز وتر کے لیے تین کے لفظ کو چھوڑ کر صرف ایک ہی رکعت وتر کو اپنی سہولت کے لیے اختیار کر لیا۔ اس حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ رکعت پڑھنے کے بعد سو جاتے پھر وتر پڑھتے تھے؛ حالانکہ ماہِ رمضان میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت سے سارے حضرات نماز عشاء کے ساتھ تراویح پڑھنے کے فوراً بعد وتر جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ بخاری کی اس حدیث کے صرف آٹھ کے لفظ کو لے کر باقی تمام امور کو چھوڑنا، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر عمل کرنا نہیں ہوا؛ بلکہ اپنے اسلاف کے قرآن وحدیث فہمی پر قناعت کرنا ہے اور یہی تقلید ہے؛ حالانکہ بخاری میں ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسری حدیث ہے: كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّي بِاللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ يُصَلِّي إِذَا سَمِعَ النِّدَا بِالصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ (باب مایقرأ فی رکعتی الفجر) یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز تیرہ رکعت پڑھتے تھے اور جب فجر کی اذان سنتے تو دو ہلکی رکعت ادا کرتے (یعنی فجر کی سنت)۔ غور فرمائیں کہ گیارہ رکعت والی حدیث بھی بخاری میں ہے اور تیرہ رکعت والی حدیث بھی بخاری میں اور دونوں حدیثیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ گیارہ رکعت والی حدیث میں سے لفظ آٹھ کو تو لے لیا اور تیرہ رکعت والی حدیث کو بالکل ہی چھوڑ دیا؛ حالانکہ تیرہ رکعت والی حدیث میں ''کان'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو عربی زبان میں ماضی استمرار کے لیے ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تیرہ رکعت پڑھنے کا معمول تھا۔ نمازِ تہجد اور نمازِ تراویح کو ایک کہنے والے حضرات قرآن وحدیث کی روشنی میں دونوں احادیث میں تطبیق دینے سے قاصر ہیں۔ جب پوچھا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آٹھ رکعت والی حدیث میں تو چار چار رکعت پڑھنے کا تذکرہ ہے؛ لیکن عمل دو دو رکعت پڑھنے کا ہے تو جواب میں دوسری حدیث کا حوالہ دیا جاتا ہے، جس میں نماز تہجد کو دو دو رکعت پڑھنے کا تذکرہ ہے، اور وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو بخاری ہی (کتاب الوتر) میں ہے: ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَوْتَرَ. حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر نماز تہجد پہلے دو رکعت ادا کی، پھر دو رکعت ادا کی، پھر دو رکعت ادا کی، پھر دو رکعت ادا کی، پھر دو رکعت ادا کی، پھر دو رکعت ادا کی، پھر وتر پڑھے۔ بخاری کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ وتر کے علاوہ دو دو رکعت کر کے تہجد کی کل بارہ رکعتیں ادا فرماتے۔ آٹھ رکعت تراویح کا موقف رکھنے والے حضرات کے نزدیک تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے تو ان احادیث میں تطبیق کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ غرضے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پہلی حدیث سے آٹھ کا لفظ لیا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے دو دو رکعت پڑھنے کو لیا، تو نہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر عمل ہوا اور نہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل ہوا؛ بلکہ اپنے اسلاف کی تقلید ہوئی؛ حالانکہ یہ تینوں احادیث صحیح بخاری کی ہی ہیں۔ معلوم ہوا کہ نمازِ تراویح اور نمازِ تہجد کو ایک قرار دینا ہی غلط ہے؛ کیونکہ اس کا ثبوت دلائل شرعیہ سے نہیں دیا جا سکتا ہے۔ چاروں ائمہ میں سے کوئی بھی دونوں نمازوں کو ایک قرار دینے کا قائل نہیں ہے۔ امام بخاریؒ تو تراویح کے بعد تہجد بھی پڑھا کرتے تھے، امام بخاریؒ تراویح باجماعت پڑھا کرتے تھے اور ہر رکعت میں بیس

آیتیں پڑھا کرتے تھے اور پورے رمضان میں تراویح میں صرف ایک ختم کرتے تھے، جب کہ تہجد کی نماز امام بخاریؒ تنہا پڑھا کرتے تھے اور تہجد میں ہر تین رات میں ایک قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے۔ (امام بخاریؒ کے اس عمل کی تفصیلات پڑھنے کے لیے صحیح بخاری کی سب سے مشہور و معروف شرح "فتح الباری" کے مقدمہ کا مطالعہ فرمائیں)۔

بس بات صحیح یہی ہے کہ نماز تراویح اور نماز تہجد دو الگ الگ نمازیں ہیں، تہجد کی نماز تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے متعین ہوئی ہے، سورۃ المزمل کی ابتدائی آیات (یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا.....) پڑھ لیں؛ جبکہ تراویح کا عمل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے مشروع ہوا ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: سَنَنْتُ لَہ قِیَامہ (نسائی، ابن ماجہ) تراویح کا عمل میں نے مسنون قرار دیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں جماعت کے ساتھ بیس رکعت کا باقاعدہ اہتمام کے ساتھ شروع ہونا، روز روشن کی طرح واضح ہے، جیسا کہ محدثین و علماء کرام کے اقوال، حوالوں کے ساتھ اوپر تحریر کیے جا چکے ہیں۔ لہٰذا اس حقیقت کا انکار کرنا صرف اور صرف ہٹ دھرمی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کا تعلق تہجد کی نماز سے ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کم کبھی زیادہ پڑھا کرتے تھے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات نے ابن خزیمہ و ابن حبان میں وارد حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے رمضان میں آٹھ رکعات تراویح پڑھیں؛ حالانکہ یہ روایت اس قدر ضعیف و منکر ہے کہ اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا ہے؛ کیونکہ اس میں ایک راوی عیسیٰ بن جاریہ ہے، جس کی بابت محدثین نے تحریر کیا ہے کہ اس کے پاس منکر روایات ہیں، جیسا کہ ۸ رکعت تراویح کا موقف رکھنے والے حضرات نے دوسرے مسائل میں اس طرح کے راویوں کی روایات کو تسلیم کرنے سے منع کیا ہے۔ اس نوعیت کی متعدد احادیث جمہور مسلمین کے پاس بھی موجود ہیں، جن میں مذکور ہے کہ حضور اکرم انے بیس رکعت تراویح پڑھیں: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک نبی اکرم ﷺ ماہِ رمضان میں بلا جماعت بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔ (بیہقی، ج ۱ ص ۴۹۶، اس حدیث کو طبرانی نے کبیر میں، ابن عدی نے مسند میں اور علامہ بغوی نے مجمع صحابہ میں ذکر کیا ہے) (زجاجۃ المصابیح)۔۔۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے امام رافعیؒ کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیس رکعت دو راتیں پڑھائیں پھر تیسری رات کو لوگ جمع ہو گئے؛ مگر آپ باہر تشریف نہیں لائے۔ پھر صبح کو فرمایا کہ مجھے اندیشہ تھا کہ یہ تمہارے اوپر فرض نہ ہو جائے اور تم اس کو ادا نہ کر سکو؛ اس لیے باہر نہیں آیا۔

دوسرے شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات نے ایک روایت کی بنیاد پر تحریر کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے گیارہ رکعت تراویح کا حکم دیا تھا؛ حالانکہ یہ حدیث تین طرح سے منقول ہے اور حدیث کی سند میں شدید ضعف بھی ہے۔۔۔ نیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھی گئیں، یہ بات سورج کی روشنی کی طرح محدثین و اکابر امت نے تسلیم کی ہے، جیسا کہ محدثین و علماء کرام کے اقوال حوالوں کے ساتھ اوپر تحریر کیے جا چکے ہیں۔ لہٰذا اس حقیقت کا انکار کرنا صرف ہٹ دھرمی ہے۔ امام ترمذیؒ، امام غزالیؒ، علامہ نوویؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، علامہ ابن قدامہؒ، علامہ ابن تیمیہؒ اور مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان مرحوم بھوپالی نے بھی وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ مشہور غیر مقلد عالم مفتی محمد حسین بٹالوی نے جب پہلی دفعہ ۱۲۸۴ھ میں باضابطہ طور پر فتوی جاری کیا کہ آٹھ رکعت تراویح سنت اور بیس رکعت بدعت ہے تو اس انوکھے فتوے کی ہر طرف سے مخالفت کی گئی۔ مشہور غیر مقلد بزرگ عالم مولانا غلام رسول

صاحب نے خود اس فتویٰ کی سخت کلمات میں مذمت کی، اور اس کو سینہ زوری قرار دیا۔ (رسالہ تراویح ص ۲۸، ۵۶)

تیسرے شبہ کا ازالہ:

کچھ حضرات کہتے ہیں کہ نبی اکرم ااور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال میں اگر کوئی تضاد ہو تو صحابہ کے اقوال کو چھوڑ کر نبی اکرم ﷺ کے قول کو لیا جائے گا۔ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ اگر کوئی اِس میں شک بھی کرے، تو اُسے اپنے ایمان کی تجدید کرنی ہو گی؛ لیکن یہاں کوئی تضاد نہیں ہے؛ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے اقوال وافعال میں کہیں بھی تراویح کی کوئی تعداد مذکور نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی سنتوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہم سے زیادہ محبت تھی۔ اور دین میں نئی بات پیدا کرنے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہم سے زیادہ ڈرنے والے تھے۔

خصوصی توجہ:

سعودی عرب کے نامور عالم، مسجد نبوی کے مشہور مدرس اور مدینہ منورہ کے (سابق) قاضی الشیخ عطیہ محمد سالمؒ (متوفی ۱۹۹۹) نے نماز تراویح کی چودہ سو سالہ تاریخ پر عربی زبان میں ایک مستقل کتاب (التراویح أکثر من ألف عام فی المسجد النبوی) لکھی ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں تصنیف کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسجد نبوی میں نماز تراویح ہو رہی ہوتی ہے تو بعض لوگ آٹھ رکعت پڑھ کر ہی رک جاتے ہیں، ان کا یہ گمان ہے کہ آٹھ رکعت تراویح پڑھنا بہتر ہے اور اس سے زیادہ جائز نہیں ہے، اس طرح یہ لوگ مسجد نبوی میں بقیہ تراویح کے ثواب سے محروم رہتے ہیں۔ ان کی اس محرومی کو دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے، لہٰذا میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں؛ تاکہ ان لوگوں کے شکوک وشبہات ختم ہوں اور ان کو بیس رکعت تراویح پڑھنے کی توفیق ہو جائے.... اس کتاب میں ۱۴۰۰ سالہ تاریخ پر مدلل بحث کرنے کے بعد شیخ عطیہ محمد سالمؒ لکھتے ہیں: اس تفصیلی تجزیہ کے بعد ہم اپنے قراء سے اولاً تو یہ پوچھنا چاہیں گے کہ کیا ایک ہزار سال سے زائد اس طویل عرصہ میں کسی ایک موقع پر بھی یہ ثابت ہے کہ مسجد نبوی میں مستقل آٹھ تراویح پڑھی جاتی تھیں؟ یا چلیں بیس سے کم تراویح پڑھنا ہی ثابت ہو؟ بلکہ ثابت تو یہ ہے کہ پورے چودہ سو سالہ دور میں بیس یا اس سے زائد ہی پڑھی جاتی تھیں۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا کسی صحابی یا ماضی کے کسی ایک عالم نے بھی یہ فتویٰ دیا کہ ۸ سے زائد تراویح جائز نہیں ہیں اور اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو اس فتوے کی بنیاد بنایا ہو؟

ماہنامہ دارالعلوم، شمارہ 7 - 8، جلد: 97، رمضان—شوال 1434 ہجری

***

غیر مقلدوں سے سوالات۔

سوال نمبر 1۔ کیا واقعی تراویح بدعت ضلالۃ ہے؟؟؟ العیاذ باللہ۔ اگر نہیں تو نواب صدیق حسن کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟؟؟

سوال نمبر 2، کیا واقعی تراویح سنت نہیں، بدعت حسنہ ہے؟؟؟ اگر نہیں تو مولوی عبدالقادر حصاروی کے بارے میں کتابچہ کب شائع ہو گا؟؟؟

سوال نمبر 3۔ کیاواقعی تراویح نفلی واختیاری عبادت ہے؟؟؟ جسے بلاعذر ترک کرنے میں کوئی گناہ نہیں؟؟؟

سوال نمبر 4۔ کیاواقعی سنت کے مطابق تہجد وتراویح ایک ہی نماز ہے؟؟؟ اگر ایک ہی ہے تو نواب صدیق حسن خان نواب وحید الزمان اور مولانا امر تسری مولانا نزیر حسین دہلوی کے خلاف اشتہار کب شائع ہوگا۔ جو دونوں کو الگ الگ قرار دیتے تھے؟؟؟

سوال نمبر 5۔ کیاواقعی قیام رمضان تراویح سے الگ کوئی نماز ہے؟؟ اگر الگ نماز ہے تو اس رکعات کتنی ہیں؟؟

سوال نمبر 6۔ کیاواقعی نماز تراویح جماعت بغیر جائز نہیں؟؟؟ اگر کوئی پڑھ لے تو اس کا حکم کیا ہوگا؟؟ تراویح ادا ہوگی یا نہیں؟

سوال نمبر 7۔ کیاواقعی تہجد اور تراویح کی الگ الگ گیارہ رکعات ہیں؟؟ اگر ہیں تو سنت کی روشنی میں ان کی ترتیب کیا ہوگی؟؟

سوال نمبر 8۔ نماز تراویح اول شب پڑھنی افضل ہے یا آخر شب؟؟ سنت نبوی کی روشنی میں وضاحت فرمایئے۔

سوال نمبر 9۔ تراویح گھر میں پڑھنا افضل ہے یا مسجد میں؟؟؟ اور جو گھر میں پڑھنے کو افضل قرار دیتے ہیں، ان پر کیا فتوی ہوگا؟؟؟

سوال نمبر 10۔ کیاواقعی تراویح کی رکعات متعین نہیں؟؟ اگر متعین ہیں تو 9 - 11 - 13 - 20 - 40 تراویح پڑھنے کی اجازت دینے والوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟؟ اگر رکعات متعین نہیں ہیں تو 8 اور 20 کا جھگڑا کرنے کے مقاصد کیا ہیں؟؟؟

سوال نمبر 11۔۔ کیاواقعی تراویح کی 11 رکعات مسنون اور باقی بدعت ہیں؟؟ اگر بدعت ہیں تو پڑھنے والوں کا کیا حکم ہے؟؟ فتوی دینے سے قبل ان کی فہرست ضرور ملاحظہ فرمالیجئے۔ اور اگر بدعت نہیں تو انہیں بدعت قرار دینے والوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟؟؟

سوال نمبر 12۔ کیاواقعی تراویح کی 11 مسنون اور باقی مستحسن ہیں؟؟ اگر مستحسن ہیں تو پڑھنے والوں کے خلاف مناظرہ بازی اور اشتہار بازی کا سلسلہ کیوں؟؟ کیا مستحسن عمل سے روکنا جائز ہے؟؟

سوال نمبر 13۔ کیاواقعی 20 رکعات سنت خلفاء راشدین نہیں؟؟؟ اگر نہیں تو امام حرم شیخ ابن باز پر کیوں فتویٰ جاری نہیں ہوتا جو 20 رکعات کو سنت خلفاء راشدین قرار دیتے ہیں؟؟

سوال نمبر 14۔ کیاواقعی غیر مقلدین کی مساجد میں احناف کو اپنی 20 رکعات تراویح اپنے امام کی اقتدا میں پوری کرنے سے روکنا گناہ ہے؟؟ اگر نہیں تو سردار اہلحدیث مولانا ثناءاللہ امر تسری کے بارے میں کیا رائے ہے؟؟

سوال نمبر15۔کیاواقعی غیر مقلدین کواہل سنت کی مساجد میں سنی امام کے پیچھے20رکعات پوری کرناضروری ہیں؟؟اگر نہیں توامام خانہ کعبہ پر کب فتویٰ جاری ہوگا جواسے سنت قرار دیتے ہیں؟؟

سوال نمبر16۔کیاآپ ﷺ نے پورارمضان تراویح پڑھی ہے؟؟؟

سوال نمبر17۔کیاآپ ﷺ نے ہمیشہ باجماعت تراویح پڑھائی ہے؟؟؟

سوال نمبر18۔کیاآپ ﷺ نے پورارمضان مسجد میں تراویح پڑھائی ہے؟؟

سوال نمبر19۔کیاآپ ﷺ نے تراویح میں پوراقرآن ختم کیایاحکم دیا؟؟؟

سوال نمبر20۔کیاآپ ﷺ نے باجماعت تراویح کاحکم دیاہے؟؟

سوال نمبر21۔کیاآپ ﷺ نے دودورکعت تراویح کاحکم دیاہے؟

تراویح سے متعلق غیر مقلدین کے چند مختلف نظریات

غیر مقلدین کے تراویح اوررکعات تراویح سے متعلق چند مختلف نظریات

ا۔غیر مقلدین کے سنجیدہ حضرات جیسے نواب صدیق حسن خان صاحب،مولانامیاں غلام رسول صاحب وغیرہ حضرات جمہورامت کی طرح بیس تراویح کے مسنون ہونے کے قائل ہیں

۲۔غیر مقلدین میں جوسخت متعصب قسم کے لوگ ہیں وہ صرف گیارہ رکعات کوہی مسنون کہتے ہیں اوران کادعویٰ ہے کہ صرف گیارہ رکعات ہی رسول اللہ ﷺ اورحضرت عمرؓ سے ثابت ہیں اورگیارہ کے علاوہ کوئی اورعدد تراویح نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے نہ ہی کسی خلیفہ راشد سے منقول ہے۔چنانچہ مولاناعبدلرحمٰن مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں وھوالثابت عن رسول اللہ ﷺ بالسندالصحیح وبھاامر عمربن الخطابؓ واماالاقوال الباقیۃ فلم یثبت واحد منھاعن رسول اللہ ﷺ بسند صحیح ولایثبت الامربہ من احد من الخلفاءالراشدین بسند صحیح خال من الکلام۔(تحفہ الاحوذی جلد۲ص۷۳)

ترجمہ:۔گیارہ رکعات کامسنون ہوناہی نبی ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے اوراسی کاحضرت عمرؓ نے حکم فرمایاتھااورگیارہ رکعات کے علاوہ باقی جتنے اقوال ہیں ان میں سے ایک بھی صحیح سند کے ساتھ جس میں کلام نہ ہونہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اورنہ خلفائے راشدین میں سے کسی ایک خلیفہ سے ثابت ہے۔

۳۔ غیر مقلدین میں بعض ایسے حضرات بھی ہیں جو گیارہ رکعات سے زائد تراویح پڑھنے کو بدعت تک کہہ دیتے ہیں العیاذ باالله۔ چنانچہ مولوی محمد عثمان دہلوی غیر مقلد لکھتے ہیں:۔ مقلدین کی ایک بڑی جماعت نے بیس رکعت مقرر کر کے بدعت شنیعہ کا ارتکاب کیا ہے۔(رفع الاختلاف ص ۵۴ بحوالہ تحقیق مسئلہ تراویح ص۸)

مولوی یونس قریشی غیر مقلد لکھتے ہیں:۔ البتہ بیس یا تیئس کی تعداد معین اور خاص کرنا درست نہیں کیونکہ اس عمل کے بدعت ہو جانے کا خوف ہے۔(دستور المتقی ص ۱۴۲)

۴۔ بعض غیر مقلدین حضرات جو سنت تو صرف آٹھ رکعات تراویح کو کہتے ہیں البتہ آٹھ سے زائد کو وہ بدعت نہیں کہتے بلکہ مستحب کہتے ہیں۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد مصنف مولانا صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت پاک تو آٹھ رکعات تراویح ہی ہے اور اس سے زائد پڑھنا سنت نہیں بلکہ نافلہ عبادت ہے۔ (صلوۃ الرسول ص ۳۸۵)

مولانا نذیر احمد رحمانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: اہل حدیث بھی یہی کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے فعل سے جو تعداد بسند صحیح ثابت ہے وہ سنت اور بہتر ہے۔ باقی نفلی نماز کی حیثیت سے اس کی کوئی تحدید و تعیین نہیں ہے جس سے جتنی ہو سکے پڑھے۔(انوار المصابیح ص ۴۴)

مولانا داؤد غزنوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں امیر جماعت اہل حدیث اعلان فرمایا کرتے تھے کہ آٹھ تراویح سنت رسول اللہ کی ہے اور باقی بارہ رکعت مستحب ہیں۔ (فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۶ ص ۲۶۵)

۵۔ غیر مقلدین میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی بھی ہے جو نماز تراویح کو جماعت سے ہی پڑھنے کے مخالف ہیں اور حضرت عمرؓ کے قائم کردہ اس طریقہ جماعت کو نعوذ باالله بدعت عمری اور بدعت ضلالہ گردانتے ہیں چنانچہ جماعت غیر مقلدین کے سرخیل اور ان کے مشہور محقق علامہ امیر یمانی صاحب جماعت تراویح کے متعلق لکھتے ہیں۔ والحافظ علیہا ھو الذی نقول انہ بدعہ (سبل السلام جلد ۲ ص ۱۱)

تراویح کی جماعت کے ساتھ باقاعدگی سے ادائیگی کو ہم بدعت کہتے ہیں۔ اس سے چند سطور قبل امیر یمانی صاحب لکھتے ہیں ان عمرؓ ھو الذی جعلھا جماعۃ علیٰ معیّن وسماھا بدعۃ واما قولہ نعم البدعۃ فلیس فی البدعۃ مایمدح بل کل بدعۃ ضلالۃ (سبل السلام جلد ۲/11)

حضرت عمرؓ نے ہی تراویح کو ایک مقرر کردہ امام کے ساتھ جماعت کی صورت دی اور اس کا نام بدعت رکھا آپ کا یہ قول کہ اچھی بدعت ہے تو بدعت کوئی بھی قابل تعریف نہیں بلکہ ہر بدعت ضلالۃ (گمراہی) ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک

۶۔ جماعت غیر مقلدین کے بعض علماء تراویح کی جماعت کو سنت نہیں سمجھتے لیکن یہ سابقہ جماعت کی نسبت تھوڑے نرم ہیں اور اس کو بدعت ضلالہ کی بجائے بدعت حسنہ کہتے ہیں چنانچہ مشہور غیر مقلد مولانا عبدلقادر حصاروی صاحب لکھتے ہیں مسجد میں جماعت سے عشاء کے بعد ہمیشہ تراویح پڑھنا بدعت حسنا ہے سنت موکدہ نہیں بلکہ سنت نبوی اور سنت خلفاء اربعہ بھی نہیں ہے۔(صحیفہ اہل حدیث کراچی یکم رمضان ۱۳۹۲ھ بحوالہ رسالہ تحقیق مسئلہ تراویح ص ۴۲)

۷۔ بعض دوسرے غیر مقلدین سابقہ غیر مقلدین کے بالمقابل تراویح کے لئے جماعت کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری قرار دیتے ہیں،۔ چنانچہ غیر مقلدین کے فتاویٰ علماء حدیث میں تراویح کے لئے جماعت کو شرط قرار دیا گیا ہیں۔ (فتاویٰ علماء حدیث جلد ۶ ص ۲۴۳)

۸۔ قاضی شوکانی وغیرہ غیر مقلدین تراویح کو جماعت اور بلا جماعت دونوں صورتوں میں ادا کرنے کو جائز کہتے ہیں۔ (نیل الاوطار جلد ۳ ص ۵۳)

حضرات! یہ ہیں غیر مقلدین کے اکابر کے تراویح اور رکعات تراویح سے متعلق تقریباً آٹھ قسم کے مختلف نظریات، ان میں سے ہر ایک نظریہ دوسرے سے بالکل جدا اور مختلف ہے اب ہم موجودہ جماعت اہل حدیث (غیر مقلدین) کی خدمت میں بصد ادب عرض کرتے ہیں کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں فیصلہ کریں کہ ان مذکورہ نظریات میں سے کون کون سا نظریہ درست اور کون کون سا غلط ہے؟ موجودہ جماعت اہل حدیث یعنی غیر مقلدین کا اب کون سا نظریہ ہے۔؟ یہ بھی بتائے جائے کہ آپ کے جن اکابر نے بدعت کو سنت اور مستحب یا سنت اور مستحب کو بدعت کہا ہے قرآن وحدیث کی رو سے ان کے بارے میں آپ کا کیا فیصلہ ہے؟ جب تک جماعت یہ فیصلہ نہیں کر پاتی ہم ان کے جواب کے آنے تک یہی کہیں گے۔